''کیا واقعی!'' اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے بنداہارا کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں۔سونا میرے پاس آجائے گا۔ میں نے جان لیا ہے کہ میں تالیہ کو زبردستی یہاں نہیں رکھ سکتا۔ وہ بھی آزاد ہے۔ تم دونوں جا سکتے ہو۔''

''اور ابھی تم ''مگر'' کہنے والے ہو ہے نا' راجہ!'' وہ غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

مراد راجہ مسکرایا۔ ''مگر....'' زور دے کے بولا۔ ''مگر میری ایک شرط ہے۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''شرط ماننے یا نہ ماننے کا فیصلہ میں کروں گا۔''

''نہ ماننے کی صورت میں' میں بغاوت کر دوں گا' جب چینی ملکہ ملک بدر ہو جائے گی تو چینی سفارتخانے کا ڈرکس کو ہوگا۔ تم میرے قیدی رہو گے۔ تالیہ مجبوراً یہاں رہے گی اور سونا اور تخت میرا ہوگا۔''

''راجہ تم اتنا خون خرابہ نہیں کرانا چاہتے میں جانتا ہوں۔''

''میں یہ کر سکتا ہوں مگر واقعی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے تم میری شرط مان لو اور یہ چابی اٹھا کے یہاں سے چلے جاؤ۔'' مراد کی مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی اور شکاری آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

''کیا شرط ہے تمہاری؟'' اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ کچھ بہت غیر آرام دہ سا تھا اس ماحول میں۔

راجہ نے حقہ اٹھا کے کش بھرا۔ پھر نال ہٹائی اور دھوئیں کا مرغولہ لبوں سے چھوڑا۔ مرغولے فضا میں اوپر کو اٹھتے گئے۔

تمباکو کی خوشبو اور سلگتے انگاروں کی مہک آپس میں گھل مل گئی۔

پھر مراد راجہ نے کہنا شروع کیا۔

☆......☆......☆

چینی سفارتخانے کے نام پہ بنی حویلیاں سن باؤ کی حویلی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ آج وہاں بھاری چینی فوج تعینات تھی۔ اکثریت ان چینی افسران کی تھی جو ملکہ یان سوفو کی شادی کے وقت ساتھ آئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔

سونے سے بھرے صندوق اندر رکھوائے جا چکے تھے اور سن باؤ کے سرخ دروازے کے باہر ایڈم اور تالیہ متفکر سے کھڑے تھے۔ ابھی ابھی ایک چینی سفارتکار نے آ کے اطلاع دی تھی کہ بنداہارا کی حویلی کے سامنے اکٹھے ہوئے غلام وہاں سے اٹھ گئے ہیں۔

''کیا وہ تھک گئے تھے؟'' ایڈم نے پریشانی سے سوال کیا۔

''نہیں۔ راجہ نے اس قیدی فاتح کو باہر بھیجا اور اس نے ان کو اٹھنے کے لئے کہہ دیا۔ مگر وہ غلام اپنے مالکوں کے پاس نہیں گئے۔ راجہ نے نیا قانون نافذ کر دیا ہے جس کے تحت ناجائز مسلمان غلام آزاد ہیں۔ اب وہ غلام ملاکہ کی گلیوں میں خوشیاں مناتے پھر رہے

ہیں۔اوران کی زبان پہ ایک ہی نعرہ ہے کہ شہزادی تاشہ کی سفارش پہ ان کو آزاد کروایا گیا ہے۔''

سفارتکار یہ کہہ کے وہاں سے ہٹ گیا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

''یعنی وان فاتح نے غلاموں کو آزاد کروادیا۔مگر تم اپنی کتاب میں لکھنا کہ یہ سب شہزادی تاشہ نے کروایا ہے۔''

''جی میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔جہاں اتنے جھوٹ بولے وہاں ایک اور سہی۔''

''اور یہ بھی لکھنا کہ....''

''شہزادی صاحبہ اب دیر ہو چکی ہے۔میں اپنی کتاب مکمل کر کے شاہی کتب خانے کے منتظم کو دے آیا ہوں۔اب اس میں ایک ہی صورت میں اضافہ ہو سکتا ہے اگر آپ دونوں مجھے ملاکہ میں چھوڑ جائیں۔'' وہ جل کے بولا تھا۔

چند ساعتیں گزریں تو تالیہ نے فکرمندی سے سڑک کو دیکھا جو اندھیر پڑی تھی۔

''وان فاتح کہاں رہ گئے؟ان کو اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا۔معلوم نہیں راجہ سے مذاکرات کامیاب ہوئے یا نہیں۔''

اس کی بات منہ میں رہ گئی۔دور افق سے دھول اڑتی دکھائی دی تھی۔وہ چونکی۔

آس پاس تعینات چینی سپاہی بھی چوکنے ہوئے۔

سڑک پہ تیز گھوڑے دوڑتے آرہے تھے۔گھوڑا گاڑیوں کے پہیوں کی آواز....چینی سپاہیوں نے تلواریں نکال لیں۔

قافلہ قریب آیا اور چاند کی روشنی میں نظر آیا....مرادراجہ سب سے آگے والے گھوڑے پہ تھا۔اور دوسرے گھوڑے پہ فاتح بیٹھا تھا۔

تالیہ اور ایڈم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔

''یہ یہاں کیوں آیا ہے؟'' سن باؤ ساتھ آکھڑا ہوا اور پریشانی سے بولا۔ہاتھ نیام کی تلوار پہ تھا۔

''وانگ لی۔'' گھوڑے پہ بیٹھے فاتح نے ہاتھ اٹھا کے ان کو تھم جانے کا اشارہ کیا' اور اپنا گھوڑا قریب لایا' پھر نیچے اترا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے شاکی نظروں سے مرادراجہ کو دیکھا۔اس نے ماتھے پہ سرخ پٹی باندھ رکھی تھی اور لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔وہ بھی تالیہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظریں پھیر لیں۔

''وانگ لی۔'' فاتح نے ان دونوں کو نظرانداز کر کے سن باؤ کو مخاطب کیا۔''مرادراجہ کے اکیس صندوق اس کے حوالے کر دو۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

تالیہ شل رہ گئی۔

سن باؤ بھی چونکا۔''مگر....''

''یہ میرا فیصلہ ہے۔اور تم سب کو یہ ماننا ہوگا۔'' وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

''مگر وہ تو غرباء کے لئے....'' تالیہ نے بولنا چاہا تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔

''اس کے بدلے میں تمام غلام آزاد ہو گئے ہیں۔ سونے کے چند سکے ہر شخص کے حصے میں آئیں' اس سے بہتر یہ نہیں کہ انہیں آزادی مل جائے؟ میں نے جو کیا ہے وہ ملاکہ کے لوگوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ میں نے غلاموں سے آزادی اور تم دونوں سے واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ کسی کی غربت مٹانے کا نہیں۔ اس لئے مجھے میرے وعدے نبھانے دو۔''

کچھ تھا جو اس کے انداز میں بدل گیا تھا۔ سختی' سنجیدگی۔ کوئی سایہ سا تھا جو چہرے پہ آن پڑا تھا۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا' البتہ تالیہ نے سر ہلا دیا۔ ''جو آپ کو مناسب لگے' تو انکو!'

''مگر.... ملکہ نے تو...'' سن باؤ نے سرگوشی میں احتجاجاً فاتح سے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

''میں ملکہ کا غلام نہیں ہوں۔ سلطان کو دوسری ملکہ نہیں لانے دوں گا۔ یہ وعدہ کیا تھا میں نے۔ مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔ اس لئے.... راجہ کے صندوق واپس کر دو۔''

غلام حکم دے رہا تھا۔ پٹی بندھا ہاتھ اٹھا کے اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ سن باؤ نے گہری سانس لی اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ کوئی بعید نہیں یہ غلام سلطان کو جا کے کہہ دے کہ اس سازش میں ملکہ بھی شریک تھی۔ ایسی صورت میں سارا کھیل پلٹ جاتا۔ مراد کے ساتھ آئے سپاہی ان حویلیوں کی طرف چلے گئے۔ سن باؤ بھی ساتھ ہو لیا۔ البتہ بار بار ناخوشی سے پلٹ کے ان کو دیکھتا ضرور تھا۔

ایڈم گم صم کھڑا تھا۔ تالیہ خاموش تھی۔ فاتح حویلیوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اور گھوڑے پہ بیٹھا راجہ ان تینوں کو۔

''تو یہ شاہی مورخ بھی تمہارے ساتھ آیا تھا؟'' اس نے براہِ راست تالیہ کو مخاطب کیا تو اس نے خفا سی نظریں اٹھائیں۔

''ہمارا آنا آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم کیسے جائیں گے' کیوں نا اس بارے میں بات کر لی جائے۔'' وہ برہمی سے بولی تو فاتح نے اس کو دیکھا۔

''راجہ نے مجھے چابی دے دی ہے۔'' ساتھ ہی کرتے کے گریبان کے اندر سے سنہری زنجیر نکال کے دکھائی جس میں ڈلی اور سکہ دونوں کو جوڑ کے بنی چابی پروئی تھی۔

تالیہ نے چونک کے باپ کو دیکھا جو مدھم سا مسکرا رہا تھا۔

''تم جاؤ تالیہ۔ یہ چابی تمہیں خود راستہ دکھا دے گی۔ تمہیں اسی جنگل میں جانا ہے جہاں سے تم آئے تھے۔''

''ہم تینوں.... جا سکتے ہیں؟'' وہ حیران تھی۔ بار بار فاتح کو دیکھتی۔ جیسے ابھی وہ کوئی ''مگر'' کہے گا لیکن وہ سنجیدہ رہا۔

''مراد راجہ درست کہہ رہا ہے۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ سونا لینا اور سلطان سے بات کرنا' یہ سب مراد راجہ کا کام

ہے۔کیا تمہیں محل سے کچھ اٹھانا ہے؟'' عام سے انداز میں رک کے تالیہ کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں لعنت بھیجتی ہوں بنداہارا کے اونچے محل پہ۔'' تنفر سے بولی تو فاتح نے سر ہلا دیا۔

''پھر آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم کو بھی اشارہ کیا تو وہ بھی گم صم سا ساتھ ہولیا۔

ذرا فاصلے پہ فاتح کے گھوڑے کے ساتھ دو مزید تازہ دم گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ان پہ کھانے پینے کا مناسب سامان بھی لدا تھا۔

وہ اپنے گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا جب ایڈم پیچھے سے شاکی انداز میں بولا۔

''تو آپ نے وہی کیا جو سیاستدان کرتے ہیں۔ آپ نے ڈیل کر لی۔'' وہ ابھی تک سُن تھا۔

وان فاتح رکاب پہ پیر رکھ کے اوپر چڑھا اور گھوڑے کی لگام تھامے سرسری سا ایڈم کو دیکھا۔ ''میں نے اس سے زیادہ کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' اور پھر دل میں سوچا۔

(تم کیا جانو میں نے کیا قربان کیا ہے۔)

''مگر ہمیں ملاکہ کے لوگوں کے سامنے راجہ کی بدعنوانی کا پول کھولنا تھا۔ ہمیں.....''

''ہمیں صرف واپس جانا تھا' ایڈم۔ ہمیں اپنی اصل زندگیاں واپس چاہیے تھیں۔ اس دنیا میں ہمارا کوئی ہدف نہیں تھا۔ ہم لا متناہی کھلاڑی تھے۔ بس۔ اس لئے خوش ہونا سیکھو۔ تم واپس جا رہے ہو۔'' وہ رعب سے بولا تو ایڈم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ فاتح اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

ادھر مراد گھوڑے سے اترا اور تالیہ کے سامنے آیا۔ وہ ہنوز سلوٹ زدہ پیشانی لئے کھڑی تھی۔ چہرے پہ خفگی اور الجھن تھی۔

''تم نے اس غلام سے نکاح کر کے میرے پاس کوئی راستہ نہیں چھوڑا' تالیہ۔'' وہ اس کے سامنے کھڑا ملال سے کہہ رہا تھا۔

''آپ اپنے ہی لوگوں سے دھوکہ کرنے والے ایک بدعنوان آدمی ہیں' بابا۔ آپ نے مجھے محل میں قید کر رکھا تھا۔ آپ کی چابی نے مجھ سے میری دنیا چھین لی۔ مجھے ابھی بھی آپ پہ شک ہے۔''

''کیا شک ہے؟'' وہ پرسکون سا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ آپ مجھے کسی طرح اس دنیا میں روکنے کی کوشش کریں گے۔''

''نہیں۔ میں تمہیں اپنی مرضی سے جانے دے رہا ہوں کیونکہ....'' وہ آگے بڑھا' اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما اور اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیونکہ مجھے یقین ہے' تم واپس ضرور آؤ گی۔''

تالیہ نے زور سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ اسے مراد راجہ پہ بری طرح سے غصہ آیا تھا۔

''تالیہ واپس کبھی نہیں آئے گی۔ مجھے آپ کا محل' آپ کی دولت اور آپ کی طاقت نہیں چاہیے۔ مجھے اپنی عام سی دنیا واپس

چاہیے۔ میں اسی میں خوش تھی، بابا۔"

اور ساتھ سے گزر کے آگے نکل گئی۔ اس کا گھوڑا تیار تھا۔ ایڈم اور فاتح گھوڑوں پہ بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ تالیہ اپنے گھوڑے پہ چڑھی اور تیزی سے اس کا رخ موڑ دیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا، تالیہ۔" عقب میں کھڑا مراد کمر پہ ہاتھ باندھے، پرسکون سا گردن اٹھائے ان تینوں کو اندھیر سڑک پہ آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے مڑ کے دیکھا تک نہیں۔

مڑ کے دیکھنے والے نمک کے مجسمے بن جاتے ہیں۔

البتہ وان فاتح نے گردن موڑ کے ایک خاموش نظر مراد پہ ڈالی اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ یہ تشکر تھا، یا کسی سمجھوتے کا اشارہ۔ وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چپ لگتا تھا اور اس کی ازلی امید بھری چمک آنکھوں سے غائب تھی۔

"ہمیں اس طرف جانا ہے۔" فاتح اپنا گھوڑا سب سے آگے لے گیا۔ وہ اب راستہ بتا رہا تھا اور وہ دونوں اس کی پیروی کر رہے تھے۔

ایڈم اداس لگتا تھا۔ وہ ایک بدعنوان حکمران کا پردہ فاش نہیں کر سکا تھا۔

اوپر چمکتا چاند.... تارے.... اور اندھیر سڑک پہ دوڑتے تین گھوڑے۔ بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ مگر فضا میں کچھ تھا جو بھاری اور مہلک سا محسوس ہوتا تھا۔

Cesium سے زیادہ مہلک۔

☆......☆......☆

جس جنگل سے نکلنے میں ان کو چار دن لگے تھے، راستہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ اس جنگل کے اندر تین دن میں پہنچ گئے۔ فاتح اس دوران زیادہ تر خاموش رہا تھا۔ ایڈم کا موڈ بدستور بہتر ہوتا آیا، اور تالیہ بھی جلد نارمل ہوگئی۔ بلکہ جیسے جیسے سفر گزرتا جا رہا تھا، وہ پرجوش ہوتی جا رہی تھی۔

"واؤ...ہم بالآخر واپس جا رہے ہیں۔"

"ہم واقعی واپس جا رہے ہیں نا، سر؟" وہ رات کو جنگل کے اندر اپنے اپنے بستر بنا رہے تھے جب ایڈم نے پھر سے پوچھا۔

گھنے رین فاریسٹ کے اونچے درخت خاموشی سے اس قطعے کو دیکھ رہے تھے جہاں خشک پتے گرے تھے اور فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا رسیوں کا جھولا سا باندھ رہا تھا۔ آستین پیچھے کو چڑھائے وہ سنجیدگی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایڈم کے سوال پہ محض اتنا بولا۔

"تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟"

''آپ پہ ہے۔مگر اپنے باپا پہ نہیں ہے۔'' وہ جو مقابل درخت کے ساتھ اپنے بستر کو باندھ رہی تھی' مداخلت کرتے ہوئے بولی۔

''وہ تمہارا باپ ہے' تالیہ۔اس کو تم سے محبت ہے۔'' وہ کام جاری رکھے ہوئے تھا۔دونوں کی ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور وہ کام میں لگے تھے۔ایڈم درمیان میں پتھر پہ بیٹھا باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔

''مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ آخر میں ہم میں سے کسی کو روک نہ لیں۔یا پتہ نہیں کیا...مگر باپا ایسا ضرور کچھ نہ کر دیں جس سے ہمیں نقصان ہو۔'' پھر چونک کے اس کی طرف پلٹی۔

''انہوں نے اس ساری ڈیل میں کوئی ''کیچ'' تو نہیں رکھا نا؟ کوئی شرط؟ کوئی...کوئی ضرر دینے والی بات۔'' اس کی الجھن ختم نہیں ہو رہی تھی۔

فاتح کے رسیاں کستے ہاتھ تھمے۔صرف ایک پل کو۔پھر اس نے کام جاری رکھا اور عام سے انداز میں بولا۔''میں نے کہا نا' ہم صحیح سلامت واپس پہنچ جائیں گے تو تم اتنی وہمی کیوں ہو رہی ہو؟''

''تو آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں۔''

''کیونکہ میں آگے کا سوچ رہا ہوں۔مجھے ایک دنیا کو اپنی گمشدگی کے متعلق جواب دینے ہوں گے۔چار ماہ چھوٹا عرصہ نہیں ہوتا۔'' اس نے جھولا مکمل کر لیا تھا۔پھر ایک کپڑا سامان سے نکالا' اسے جھاڑا اور رسیوں کے پنگھوڑے پہ ڈالا۔اس بار جنگل میں پچھلی دفعہ کی طرح کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی کیونکہ سامان ان کے پاس تھا۔

''آپ فکر مت کریں' تو انکو۔ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

فاتح نے پلٹ کے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔''وان فاتح کو کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی کبھی' تالیہ۔''

شاید وہ ویسا ہی بے نیاز تھا جیسا ہمیشہ ہوتا تھا۔شاید یہ سب اس کا وہم تھا۔اس نے بس شانے اچکا دیے اور واپس اپنا بستر بنانے لگی۔

''مراد راجہ اب کیا کرے گا' سر؟ سلطان کو بیٹی کی گمشدگی کی خبر کیسے دے گا؟ کیا بہانہ کرے گا؟''

''ایڈم یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ہمیں صرف اپنی نجات کے بارے میں سوچنا ہے۔اور یہ تم ہی تھے جو چار ماہ سے واپس جانے کے لئے شکایتیں کر رہے تھے۔اب جب تمہیں راستہ مل رہا ہے تو بہتر ہے کہ ملاکہ کے ہیرو نہ بن سکنے کے غم کو بھول کے تم اپنے ماں باپ اور اپنی منگیتر کا سوچو۔''

وہ ایک دم یوں جھڑک کے بولا تو ایڈم کے چہرے کے سارے زاویے درست ہو گئے۔اس نے جلدی سے سر ہلایا۔''جی سر۔''

فاتح اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔دو درختوں کے درمیان فضا میں جھولتا رسیوں کا جھولا۔اور اس نے ان کی طرف سے کروٹ موڑ لی۔

وہ درختوں کے درمیان خالی جگہ تھی جہاں چاند کی روشنی مدھم سی پہنچ پا رہی تھی۔جانوروں کے بولنے اور کیڑوں کے رینگنے کی آوازوں کے

ساتھ ساتھ دور کسی جھرنے کے بہتے پانی کی آواز بھی آ رہی تھی۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ تالیہ چپ چاپ کام کرتی رہی اور ایڈم پتھر پہ بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے تالیہ کو مخاطب کیا۔ ''آپ جاتے ہوئے اپنے باپا سے کیا کہہ رہی تھیں؟''

''یہی کہ میں ان کے محل اور دولت پہ لعنت بھیجتی ہوں۔''

''جی اور اسی لئے آپ نے اپنے کپڑوں میں جو پوٹلی چھپا رکھی ہے اس میں اچھے خاصے سونے' ہیرے اور جواہرات جڑے زیورات موجود ہیں۔'' وہ تین دن سے جس راز کو دبائے پھر رہا تھا' آج اگلے بنا رہ نہ سکا۔ تالیہ نے پلٹ کے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

''جائز اور حلال زیورات ہیں وہ۔ شہزادیوں کا حق ہوتا ہے۔ چوری کر کے نہیں لے جا رہی۔'' کپڑا جھٹک کے بستر پہ بچھاتے ہوئے وہ بولی تو ہاتھ کی سرخ انگوٹھی چمکی۔

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ ناجائز ہیں؟ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اتنی جلدی محل اور دولت پہ لعنت بھیجنے والی نہیں ہیں آپ۔''

تنک کے بولا اور اپنا بستر بنانے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ خفگی سے کچھ بڑبڑاتی درخت کی طرف مڑ گئی۔

بالآخر ان کے درمیان تناؤ والی فضا ختم ہو رہی تھی۔ بالآخر تالیہ کو یقین آنے لگا تھا کہ سب ٹھیک ہے اور فاتح اس سے کچھ نہیں چھپا رہا۔

ان کی طرف سے کروٹ موڑے فاتح کو اپنے سرہانے کھڑی اداس سی آریانہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکی۔

''یہ آپ نے کیا کر دیا' ڈیڈ؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر دیا۔ ان دونوں کو بتایا ہی نہیں۔ جب ان کو معلوم ہوگا تو کیا ہوگا؟''

''آریانہ۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے اداسی سے بڑبڑایا۔ ''میں ان کے برابر کا نہیں ہوں۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے اپنے سے اوپر رکھا ہے۔ اور ''Its very lonely at the Top

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جنگل کی ساری سیاہی ان آنکھوں میں سمو گئی اور دل بھی اندر تک اندھیر ہو گیا۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب دو درختوں کے درمیان بندھے جھولے نما بستر پہ سوئی تالیہ کی آنکھ کھلی۔

نرم سا لحاف اس نے چہرے سے اتارا اور پلکیں چند بار جھپکائیں۔ وہ چت لیٹی تھی سو اونچے درختوں کے آسمان کو چھوتے سرے نظر آ رہے تھے۔ مدھم چاندنی کہیں کہیں سے جھانک رہی تھی۔

پھر اس نے گردن چونکنے انداز میں موڑی۔

فاتح ایک پتھر زمین پہ کھینچتا اس کے جھولے کے قریب لا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

''ششش ششش..... ریلیکس!'' اور پتھر قریب لا کے سیدھا ہوا۔ پھر اس پہ بیٹھا' یوں کہ تالیہ کی طرف رخ تھا۔ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ گرم لحاف اپنے گرد لپیٹے رکھا۔ جھولا ذرا سا جھولنے لگا' پھر ساکن ہو گیا۔

''کیا ہوا' فاتح صاحب؟'' تالیہ نے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ہاتھ میں کچھ اٹھائے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی مانوس سی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ چاکلیٹ۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو جنگل میں آگے نکل گیا۔ وہاں کوکو کا درخت تھا۔ سوچا تمہارے لئے لے آؤں۔ یاد ہے تمہاری سالگرہ پہ تمہیں یہ بہت لذیذ لگا تھا۔'' وہ پتھر پہ بیٹھا' مسکرا کے کہتا چاقو سے پھل کاٹ رہا تھا۔ وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

''آپ کو یاد تھا۔'' ہاتھ بڑھایا تو فاتح نے پھل اسے تھماتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔ وہ قدرے تھکا تھکا لگ رہا تھا مگر لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ تین دن کی خاموشی کے بعد آج وہ' وہ فاتح لگا تھا جو اسی جنگل میں چار ماہ پہلے اس کو تسلی دیتا تھا اور ہمت دلاتا تھا۔

''ظاہر ہے مجھے یاد تھا۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ آواز دھیمی تھی۔

''یہ اب بھی لذیذ ہے۔'' اس نے انگلی کٹے پھل کے پیالے میں ڈالی اور گودا منہ میں رکھا تو لذیذ رس اندر تک گھل گیا۔ وہ بس مسکرا کے اسے کھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''تالیہ!'' پھر نرمی سے پکارا۔ ''ان چار ماہ میں تمہارے خیال میں تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟''

''چار پانچ کلو وزن بڑھا ہے میرا۔ اور ہاں چند جنگی امور کی تربیت لی ہے میں نے۔ شاہی آداب دیکھے ہیں۔ ہر روز ڈھیروں زیورات خود پہ لادے لینے کی مشق کی ہے اور.....''

''تالیہ!'' اس نے نرمی سے ٹوکا۔ ''باہر نہیں' تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟ تم نے کیا سیکھا ہے؟''

اس نے گودے بھری انگلی لبوں پہ رکھ کے نکالی اور سوچا۔ ''پتہ نہیں' تو انکو۔ شاید کچھ بھی نہیں سیکھا۔ اب بھی دولت کی وہی حرص ہے مجھے۔ اتنے زیورات ساتھ لائی ہوں۔ خزانہ اب بھی چاہیے مجھے۔ ہاں کوشش کروں گی کہ پرانی روش چھوڑ کے نئی زندگی شروع کروں۔''

''جب میں تمہیں چھوڑ دوں گا (تالیہ کی پلکیں جھکیں مگر پھر اس نے ان کو اٹھا لیا اور مسکراتی رہی) تو تم کیا کرو گی؟''

''میں شاید امریکہ چلی جاؤں۔ اپنے سارے جائز مال و دولت کے ساتھ اور بطور آرٹسٹ ایک نئی زندگی شروع کر لوں۔'' پھر ٹھہری۔ پھل والا ہاتھ نیچے کر لیا۔

اندھیری رات میں وہ لحاف میں لپٹی جھولے پہ بیٹھی تھی اور وہ سامنے پتھر پہ بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں ہم نے یہ نکاح صرف مراد راجہ کو بلیک میل کرنے کے لئے کیا تھا' ورنہ وہ زبردستی میری شادی سلطان سے کر

دیتا۔ اور اب ہم اس کو ختم کر دیں گے۔ لیکن.... میں چاہوں گی کہ ہم اچھے دوست رہیں۔ میں چھٹیوں میں ملائیشیا آنا چاہوں گی اور بھلے آپ وزیرِ اعظم بھی بن جائیں، آپ ایڈم اور میرے لئے ہمیشہ وقت نکالا کریں گے۔ سال میں ایک دو مرتبہ ہم تینوں مل بیٹھ کے ان دنوں کو یاد کیا کریں گے۔ ٹھیک ہے نا، توانکو۔"

"میں بھی چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔ مگر میں ایک اور بات اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔" وہ نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے حیرت سے دیکھا۔ "وہ کیا؟"

"تمہاری حقیقت جاننے سے قبل میں تمہیں تاشہ کہا کرتا تھا۔ اسی جنگل میں، میں نے تمہیں پہلی دفعہ تالیہ کہنا شروع کیا تھا۔ جس لڑکی کو میں تاشہ کہہ کے بلاتا تھا وہ میرے لئے ایک ناقابلِ بھروسہ، بے ایمان اور اداکارہ قسم کی عام سوشلائیٹ تھی۔ مگر جب میں نے تمہیں جانا.... کہ تمہارا پیشہ کیا ہے اور تم ہی حالم ہو، تو میں نے تمہیں تمہارے اصل نام سے پکارنا شروع کیا۔ پھر کبھی تاشہ نہیں کہا۔ کبھی تمہیں شہزادی نہیں سمجھا۔ کیونکہ اتنا زیورلاد کے، تاج اور زرتار لباس پہن کے بھی تم میرے لئے وہی تالیہ تھیں جو میری دنیا کی باسی تھی۔ لیکن اس روز...." وہ ٹھہرا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔ "اس روز قید خانے میں جب تم سپاہیوں پہ غرائیں تو میں نے تمہاری وہ آواز سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔"

وہ ذرا سی شرمندہ ہوئی۔ فوراً وضاحت دینا چاہی۔ "وہ تو میں غصے میں..."

"نہیں تالیہ۔ مجھے برا نہیں لگا تھا۔ بلکہ مجھے اچھا لگا تھا۔ جانتی ہو کیوں؟"

وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔ "کیوں؟"

"کیونکہ بنا کسی تاج اور شاہی لباس کے.... اس دن تم مجھے شہزادی لگی تھیں۔ وہ تمہارا اصل روپ تھا۔ تمہارا رائیل سیلف۔ تم مجھے توانکو کہتی ہو۔ ہماری دنیا میں اس لفظ کا مطلب My Boss ہوتا ہے.... لیکن اس وقت میں نے جانا تھا کہ تمہارا اصل مقام ایک باس کا مقام ہے۔ تم نے ان چار ماہ میں اپنے اصل روپ کو دریافت کر لیا ہے، تالیہ۔ تم ایک شہزادی ہو۔ ایک دانا شہزادی۔ تم روپ بدل بدل کے تنگو کامل کی ملازمہ یا کوئی ویٹرس یا کوئی سطحی سوشلائیٹ بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ تم یہ بہروپ اس لئے بناتی ہو، سچ اس لئے نہیں بول سکتیں کیونکہ تم نے اپنے اصل کو کبھی دریافت ہی نہیں کیا تھا۔"

وہ ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم نے ان چار ماہ میں جو سیکھا ہے، اس کو ضائع مت کرو۔ واپس جا کے تم اس کو اپنی زندگی پہ لاگو کرنا۔ پھر تمہیں کسی چیز کا خوف سچ سے دور نہیں کرے گا۔ تم اپنے ساتھ سچی ہو جاؤ گی۔ تمہیں اپنے اوپر ملمع چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ تمہیں اپنے اصل روپ پہ اعتماد آ جائے گا۔ میں اس تالیہ کو کے ایل میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو قید خانے کے سپاہیوں پہ غرا رہی تھی۔ ان کو ظلم کرنے سے روک رہی تھی۔ یہی چیز تمہاری سب سے بڑی طاقت ہوگی۔ تالیہ تمہیں کسی 'خزانے'، کسی زیور کی ضرورت نہیں ہے۔ تم

نے صرف وہی بننا ہے جو تم اس قدیم ملاکہ میں تھیں۔"

"مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں۔ میں چوری کرنا چھوڑ کے نئی زندگی شروع...." اس نے کہنا چاہا مگر....

"ایک وقت آئے گا جب تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس وقت اس رات کو یاد کرنا۔ تم یاد کرنا کہ میں تمہیں ایسی ہی تالیہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ شہزادی تاشہ جیسی تالیہ۔ صرف تاشہ جیسی نہیں۔ بلکہ کسی باس کی طرح۔ نڈر اور جراءت مند۔ اور اس وقت اگر کوئی تمہارے اس روپ کو پسند نہ کرے تو تم اس کی پرواہ نہیں کرو گی۔ چاہے تمہیں ناپسند کرنے والوں میں، میں ہی کیوں نہ شامل ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے نیم رضا مندی سے سر ہلایا۔ "میں اپنے اصل سے نہیں بھاگوں گی۔"

"اور ایڈم...." اس نے گردن موڑ کے دور سوتے ایڈم کو دیکھا۔ "اس نے اس دنیا سے یہ سیکھا ہے کہ انسان کو اپنی خوشی اپنے اندر خود ڈھونڈنی ہوتی ہے۔ بجائے دوسروں کے پیچھے بھاگتے رہنے اور دوسروں کی رائے پہ انحصار کرنے کے، انسان کو اپنی ذات پہ اعتماد کرنا سیکھنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے سب سے اچھے دوست اور سب سے اچھے جج خود ہوتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ تم ایڈم سے رابطے میں رہو اور اس کو بیسا کھیوں کے بغیر اپنے قدموں پہ چلنا سکھاتی رہو۔ تمہیں اور اسے اس دنیا سے سیکھے اسباق بھولنے نہیں چاہئیں۔"

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "ہم اچھے دوست تو رہیں گے نا، فاتح صاحب؟" یونہی اس کو نام سے پکار دیا۔

"میں ایسا ہی چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں۔" وہ مسکرا کے پلٹا تو وہ پکار اٹھی۔

"اور آپ نے کیا سیکھا؟"

اس اندھیر رات میں درختوں کے ساتھ کھڑا فاتح ٹھہر گیا۔

پھر آہستہ سے مڑا اور سادگی سے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میں جیسا تھا ویسا رہوں گا۔"

"ظاہر ہے۔" تالیہ نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ "آپ سیلبرٹی ہیں، پرفیکٹ ہیں۔ آپ میں خامیاں کیسے ہو سکتی ہیں جن کو اصلاح کی ضرورت ہو؟" نروٹھے پن سے بولی تو اس نے جواب نہیں دیا۔

"آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ اس میں وہ پاپ کارن بھی ہیں۔"

"وہ تم رکھ لو۔ اس وقت تک جب تک میں اسے واپس نہیں مانگتا۔" وہ مبہم انداز میں کہتا اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ بھی واپس لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

کروٹ موڑ کے لیٹے ایڈم کی آنکھیں کھلی تھیں اور اس نے حرف حرف سنا تھا۔

''وان فاتح یہ سب مجھے ڈائریکٹ بھی کہہ سکتے تھے' پھر چے تالیہ کو کیوں کہا کہ وہ مجھے کہیں۔ تین دن سے سر مجھے اگنور کر رہے ہیں۔ ہونہہ۔'' اس نے خفگی سے آنکھیں بند کی تھیں۔ اسے سو جانا چاہیے تھا۔

صبح انہوں نے ''دروازے'' کی طرف سفر کرنا تھا۔

☆......☆......☆

جنگل پہ صبح اتری تو گھنے درختوں نے دیکھا' تین مسافر قطار میں چلتے جا رہے تھے۔ سب سے آگے چلنے والے مرد کی گردن میں سنہری چابی لٹک رہی تھی جو اس کو راستہ دکھا رہی تھی۔ گھوڑے وہ جنگل سے باہر چھوڑ آئے تھے اور اب پیدل تھے۔ چہروں پہ مٹی لگی تھی' اور لباس میلا ہو رہا تھا مگر وہ چل رہے تھے۔

ہر اٹھتے قدم کے ساتھ تالیہ کو ان چار ماہ کا گزرا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔

(چار ماہ قبل وہ کے ایل میں سن باؤ کے گھر کے صحن میں کھڑے تھے۔ زمین میں ڈھکن سا کھل گیا تھا اور نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ فاتح مشکوک سا تالیہ کو برہمی سے دیکھ رہا تھا اور وہ خزانے کی طمع میں زینے اتر رہی تھی۔)

جنگل میں وہ تینوں اس مقام تک پہنچے تو فاتح نے گردن سے زنجیر اتاری اور سنہری چابی زمین پہ رکھی۔ ایک دم ہوا چلی اور سوکھے پتے اڑتے گئے۔ جگہ خالی ہوتی گئی۔ وہاں ایک لکڑی کا ڈھکن نظر آنے لگا۔

(وہ رین فاریسٹ کی غار میں کھڑی تھی۔ ساکن ساکت۔ اس کے سر کے اوپر سانپ تھا جس کو فاتح چاقو سے مار رہا تھا۔ سانپ کی گردن کٹ کے گر گئی۔ وہ خوف سے اسے دیکھ رہی تھی۔)

پتے ہٹ گئے اور ڈھکن صاف نظر آنے لگا۔ وان فاتح نے تیزی سے ڈھکن کھولا۔ نیچے زینہ سا بنا تھا۔ ان تینوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ تالیہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ خوشی اندر باہر بھرنے لگی۔

(وہ تینوں جنگل میں بیٹھے تھے۔ درختوں کی چھایا تلے اور وہ ہرن کی گردن پہ چاقو پھیر رہی تھی۔ خون کے چھینٹے وان فاتح کے اوپر آ گرے تھے۔)

وہ قدم بہ قدم زینے اترنے لگے۔ ایڈم بار بار دیواروں کو ہاتھ لگا کے ٹٹولتا۔ کیا وہ واقعی واپس جا رہے تھے؟ وہ بے یقین تھا۔

(وہ پنجرے میں بند تھے اور پنجرہ اٹھائے گھوڑا گاڑی سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ تالیہ کے سر پہ چوٹ لگی تھی اور درد ہو رہا تھا۔)

زینے اترتے وقت وان فاتح سب سے آگے تھا۔ دروازے پہ وہ پہلے پہنچا۔ تالیہ نے چابی مانگی مگر وہ خود آگے آیا اور تالے میں چابی ڈالی۔ پھر زنجیر ہٹا کے اسے کھولا۔ لکڑی کا قدیم دروازہ کھلتا چلا گیا۔

(وہ بنداہارا کے محل میں کھڑی اپنے باپا سے پہلی دفعہ مل رہی تھی۔ اس نے جامنی لباس پہن رکھا تھا اور کان کے اوپر بڑا سا پھول لگا تھا۔)

دروازے کے پار وہی سب تھا جو پہلے نظر آیا تھا۔طویل راہداری جو گیلی تھی۔وہ تینوں تیزی سے اس پہ چلنے لگے۔تالیہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ایڈم اب بھی دیواروں کو بے یقینی سے ٹٹول رہا تھا۔

(وان فاتح ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا صراحی سے پیالیوں میں قہوہ انڈیل رہا تھا۔دھار کی صورت میں گرتا قہوہ پیالی کو بھر رہا تھا۔پتوں کے کڑھنے کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔)

ان کے پیر پانی میں ڈوب رہے تھے اور اوپر سے قطرے بھی برس رہے تھے مگر وہ چلتے گئے... چلتے گئے... چلتے گئے۔

(ایڈم کتب خانے میں کتابیں اور قلم کاغذ پھیلائے بیٹھا تھا۔ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو وہ شعلہ دکھا چکا تھا اور کاغذ دھیرے دھیرے جل رہا تھا۔)

راہداری ایک دوسری پانی بھری راہداری کے ساتھ آملی۔دو دریاؤں کا سنگم۔

تالیہ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے بھیگنے لگیں۔صرف فاتح تھا جو سنجیدہ تھا۔بے تاثر۔سرد۔

(وہ دونوں ابوالخیر کی حویلی کی چھت پہ اکڑوں بیٹھے باتیں کرتے ہوئے دور تک پھیلے اندھیرے میں ڈوبے ملاکہ کو دیکھ رہے تھے۔)

دو دریاؤں کے سنگم پہ تالیہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔وہاں کوئی دہانہ تھا۔مگر وہ نئی زندگی کی شروعات تھیں۔وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی' یہاں تک کہ سب سے آگے نکل گئی۔

(وہ ملکہ یان سوفو کے محل میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور طبیب کو ڈانٹ رہی تھی۔اس کا تاج سنہری دھوپ میں چمک رہا تھا اور ملکہ دنگ کھڑی اس کو اپنی حمایت کرتے دیکھ رہی تھی۔)

فاتح اب سست روی سے چل رہا تھا۔اسے اب واپس پہنچنے کی جلدی نہ تھی۔ایڈم کا چہرہ اب جیسے پرسکون ہونے لگا تھا۔اسے یقین آنے لگا تھا۔

(ایڈم دربار میں رکھی سنہری میز پہ موجود اپنے نام کی تختی پہ مسحور سا ہاتھ پھیر رہا تھا۔ساتھ ہی دستے رکھے تھے جن کے اوپر لکھا بنگا رایا ملایو جگمگا رہا تھا۔)

دوسرے دریا کے پار وہی زینہ تھا۔تالیہ بھاگ کے اس پہ چڑھی۔سامان کی پوٹلی سنبھالے' وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔فاتح بن رامزل کے قدم اتنے ہی بھاری ہو رہے تھے۔

(مراد راجہ سختی سے اس کا بازو پکڑے اس کے ساتھی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔میز پہ رکھی اس کی ننھی سی لکڑی کی کشتی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔)

لکڑی کا ڈھکن اس نے ہٹایا تو سیاہ رات دکھائی دی۔وہ باہر نکلی تو خود کو سن باؤ کے صحن میں پایا۔تاروں بھرا آسمان اور....اس نے

گردن موڑی... نئے ملاکہ میں جدید تراش خراش سے آراستہ سن باؤ کا گھر۔

(وہ جیا کے چبوترے پہ کھڑا بلند آواز میں لوگوں سے مخاطب تھا' مگر وہ گردنیں افسوس سے ہلاتے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔)

ایڈم باہر نکلا تو بالکل دنگ رہ گیا۔ پھر بالآخر کھل کے مسکرایا۔ پیروں پہ گول گول گھوم گیا۔ وہ جدید ملاکہ ہی تھا۔ وہ جدید گھر ہی تھا۔

(وہ تینوں سن باؤ کے برآمدے میں زمین پہ بیٹھے تھے اور چینی قاضی ان سے ان کی رضامندی لے رہا تھا۔ گواہ بنا ایڈم خالی دل اور خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔)

فاتح نے اوپر قدم رکھے اور سیدھا کھڑا ہوا تو ڈھکن خود بخود بند ہو گیا۔ زمین برابر ہو گئی۔ کنویں کا پانی بھر آیا۔

ایسے جیسے وہاں کوئی ڈھکن تھا ہی نہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

(وہ دونوں مجسمے کی جگہ کے نیچے زمین میں سامان بھر رہے تھے۔ سن باؤ کے قدیم صحن میں تالیہ اور ایڈم تنہا تھے اور ان کے ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔)

وان فاتح نے صرف برآمدے کی طرف دیکھا۔ دیوار پہ لگی گھڑی ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ گھڑی پہ تاریخ کی اسکرین سولہ جولائی دکھا رہی تھی۔ وقت رک گیا تھا۔

(وہ مراد کے قید خانے میں مقید صلیب صورت بندھا کھڑا تھا۔ سپاہی اس کو پیٹ رہے تھے اور وہ کرب سے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔)

تالیہ نے دونوں بازو فضا میں پھیلا دیے اور آسمان کی طرف دیکھ کے آنکھیں موند لیں۔ جدید ملاکہ کی ٹھنڈی ہوا اس کے سنہری بالوں میں سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ آزاد تھی۔

ایڈم بھاگ کے برآمدے میں گیا اور وہاں رکھا ٹی وی آن کیا۔ اسکرین پہ نیوز کاسٹر خبریں پڑھ رہا تھا۔ تاریخ' وقت... خبر کی پٹیاں... سب سولہ جولائی تاریخ کا تھا۔ وقت واقعی تھم گیا تھا۔

اور کون کہتا ہے کہ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا؟

کبھی کبھی....

کسی کسی کے لئے....

کسی کسی زمانے میں....

وقت تھم بھی جاتا ہے۔

اور تھم کے... وہ انتظار کرتا ہے۔

اپنی بھول بھلیوں میں

کھو جانے والے

مسافروں کی واپسی کا!

☆......☆......☆

تاریخ تھی سولہ جولائی۔ دن تھا اتوار کا۔ سن تھا 2016 اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں یکے بعد دیگرے زینے چڑھ کے اوپر آئے تھے۔

سن باؤ کا گھر پہلی نظر میں پہچانا نہیں گیا۔ یہ قدیم صحن اور گھر جیسا نہ تھا۔ ہر شے مرمت اور تزئین و آرائش کے بعد نئی بنا دی گئی تھی۔ مصنوعی سی۔ سوائے مجسمے کے۔ وہ چند ایک جگہوں سے ذرا ٹوٹا ہوا تھا' مگر یوں لگتا تھا کہ ماہرین بار بار اس کی Repairing کرتے تھے۔ کنواں بھی اب مصنوعی سا لگتا تھا کیونکہ وقت خود مصنوعی سا ہو گیا تھا۔

اور ہاں...تالیہ نے آنکھیں موندے' بانہیں پھیلائے' فضا کو سونگھا...کوئی بو نہ تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس فضا میں Cesium بھی تھا۔

''چھ سو سال گزر گئے!'' اس نے آنکھیں کھولیں اور پیروں پہ گول گول گھومی۔ چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال' بچے تالیہ۔'' ایڈم ٹی وی بند کر کے واپس صحن کی طرف آیا تو اس کے چہرے پہ بھی الوہی خوشی تھی۔ فاتح ان دونوں کو دیکھ کے بس ذرا سا مسکرایا۔ وہ نہ کسی چیز کو دیکھ رہا تھا' نہ فضا کو سونگھ رہا تھا۔ وہ بس ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

دھیرے دھیرے تالیہ کو باہر شور سنائی دینے لگا۔ بہت سی آوازیں' بے ہنگم موسیقی۔ گاڑیوں کے ہارن' ہر طرح کی بولیاں۔ اس کے تاثرات بدلے۔ قدرے فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھا۔

''یہ شور کیوں ہے اتنا۔''

''یہ 2016 ہے بچے تالیہ۔ یہاں ہمیشہ ہی اتنا شور تھا۔ آپ قدیم زمانے کی خاموشی کی عادی ہو گئی تھیں۔'' پھر اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ ''سر آپ نے تو آج کے ایل واپس جانا تھا۔'' اسے سب یاد تھا۔ ''بلکہ آپ جا رہے تھے تو میں نے آپ کو روکا تھا۔''

''نہیں' میں آج رات ادھر ہی رہوں گا۔ میں تھکا ہوا ہوں۔'' فاتح نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تو ایڈم لمحے بھر کو خاموش ہو گیا۔ تالیہ نے شور کے باعث جھرجھری سی لی۔

''کیا کے ایل میں ہمیشہ اتنا شور تھا' اف۔ انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا سے کیا بنتا جا رہا ہے۔''

اسی اثناء میں باہر پولیس کے سائرن سنائی دیے۔ تالیہ چونکی۔ ''کیا میرے کان بج رہے ہیں۔''

''نہیں' ایڈم نے جانے سے پہلے پولیس کو بلایا تھا۔ تمہیں گرفتار کروانے۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور دروازے کی طرف

بڑھا۔ ''میرا نہیں خیال اب ایڈم تمہیں گرفتار کروانا چاہے گا اس لئے میں ذرا ان کو فارغ کرتا ہوں۔ تم لوگ اندر ہی رہو۔'' ایڈم ساتھ آنے لگا تو اس نے سختی سے منع کیا۔ ایڈم رک گیا۔ اسے ذرا خفت ہوئی۔

''ایڈم مجھے گرفتار کروانے کا سوچ تو سہی۔'' تالیہ نے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے گھور کے اسے دیکھا۔

ایڈم جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا' پھر مجسمے کے قدموں تلے زمین کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ایڈم کی آنکھوں میں سوال اترا۔ (کب؟)

''دھیرج... ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔'' وہ مسکرا کے سرگوشی میں بولی۔

فاتح پولیس والوں سے معذرت کر کے واپس آیا تو اتنا ہی سنجیدہ لگ رہا تھا۔ سیدھا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ وہاں میز پہ لکھنے کا سامان رکھا تھا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور قلم کھولا میز پہ جھکے کھڑے سرسری سا پوچھا۔

''ایڈم تمہارا ای میل ایڈریس کیا ہے؟''

ایک دم مخاطب کیے جانے پہ ایڈم گڑبڑایا۔ ''جی؟''

''ہمارے موبائلز تو جنگل میں چار ماہ پہلے ناکارہ ہو گئے تھے نا۔ تم سے ابھی رابطہ تو ای میل پہ کرنا ہو گا نا۔''

''جی جی سر.... لکھیں۔'' وہ جلدی سے بتانے لگا۔

''اور میرا ای میل ہے....'' وہ بھی کہنے لگی تو فاتح قلم بند کر کے سیدھا ہوا۔ ''اس کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ اب جاؤ۔'' وہ سنجیدہ تھا۔ اور اس کے اعصاب بالکل پرسکون تھے۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔ برآمدے میں روشنی تھی اور وہ روشنی میں کھڑا تھا۔ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے وہ اب ان کو یوں منتظر سا دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو اب جاؤ' میں تھکا ہوا ہوں۔

''جی بالکل۔ آپ آرام کریں۔ ہم اپنے اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔'' وہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''شکریہ!'' فاتح نے سر کو خم دیا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں بے تاثر تھیں۔

ایڈم نے سلام کیا (فاتح نے اسے نہیں دیکھا) اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی مڑنے لگی تو وہ بولا۔ ''تالیہ!''

وہ ٹھہری اور مڑ کے سیاہ آنکھوں میں سادگی لئے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

فاتح چند قدم چل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی گردن میں پہنی سنہری چابی صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ چمک رہی تھی۔

''میں صبح ہونے سے پہلے پیپرز ایڈم کو بھیج دوں گا۔ کوئی ثبوت ہونا چاہیے نا رشتہ توڑنے کا۔ تم آزاد ہو گی۔ اپنی زندگی اپنے اصل کے ساتھ گزارنا۔ اور اتنا سچ بولنا کہ تمہاری ہر بات پہ لوگ آنکھیں بند کر کے یقین کرنے لگ جائیں۔ ٹھیک ہے نا تالیہ؟'' وہ اس رات کی طرح نرمی سے نہیں سمجھا رہا تھا۔ بس بے تاثر انداز تھا اس کا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کیا کچھ ہے جو آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں اس کو سنو یاد رکھو۔ جو تم نے سیکھا ہے' اس کو تم نہیں بھلاؤ گی۔ تم اپنی زندگی نئے طریقے سے شروع کرو گی۔ تم وہ عورت بنو گی جس کو اپنی ذات کی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تالیہ بنتِ مراد....''اس نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور ان کو اکٹھا کر کے سامنے کیا۔ وہ شل رہ گئی۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو.... مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے لیکن مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ خود غرضی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے آزادی کے بعد امریکہ چلی جاؤ اور ایک اچھی زندگی گزارو۔''

اس کے ہاتھ فاتح کے ہاتھوں میں تھے اور وہ دم سادھے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے یاد کریں گے؟''اس کی آنکھیں یونہی بھیگنے لگی۔

''مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ تم کبھی بھی واپس قدیم ملاکہ میں جانے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''میں پاگل ہوں جو واپس جاؤں گی؟''

''چاہے کچھ بھی ہو جائے ....تم ...واپس نہیں جاؤ گی۔ تم یہاں سے دور چلی جانا۔ تم ہماری اس دنیا میں شہزادیوں کی طرح رہنا لیکن کبھی قدیم ملاکہ کی شہزادی بننے کا مت سوچنا۔ کسی کے لئے نہیں۔ وان فاتح کے لئے بھی نہیں۔''

اس کی بھیگی آنکھیں فاتح کے بے تاثر مگر تکان زدہ چہرے پہ جمی تھیں۔''آپ کو کیوں لگتا ہے میں واپس جانے کا سوچوں گی؟''

''تم کبھی اس چابی کو دوبارہ نہیں ڈھونڈو گی۔ بھلے جتنی شدت سے تمہارے اندر واپسی کی تڑپ اٹھے....تم تالیہ....تم واپس نہیں جاؤ گی۔''وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

''آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں جیسے آپ مجھے چھوڑ کے کہیں دور جا رہے ہوں۔''

فاتح نے دھیرے سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میں کے ایل میں ہی رہوں گا۔ میں ایک خود غرض آدمی ہوں تالیہ۔ وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے۔ الیکشن کا سال شروع ہونے والا ہے۔ میرے خواب اور میرے عزائم کی تکمیل کا سال ہے یہ۔ مجھے بہت کام کرنا ہے اس سال۔ میں اپنے سفر میں کھو جاؤں گا اور میں تمہیں یاد نہیں کر پاؤں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری ان باتوں کو کبھی نہ بھلاؤ۔''

''میں بھلا بھی نہیں سکتی!''اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنسو پھسل کے گال پہ لڑھکا۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ اس کے پار ایڈم رکا کھڑا تھا۔

وہ واپس جانے کو مڑی تو فاتح نے پکارا۔''ایڈم کا خیال رکھنا۔ قدیم ملاکہ میں اس کا دل ٹوٹا تھا۔ کوشش کرنا کہ کے ایل میں آ کے

وہ اپنے دل اور ذات دونوں کو جوڑنا سیکھ لے۔"

تالیہ نے بس سر ہلا دیا۔ وہ نہیں مڑی۔ اسے پتھر نہیں بننا تھا۔

باہر کھڑے ایڈم کو ان الفاظ نے سُن کر دیا تھا۔ اس نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ (تو فاتح جانتا تھا؟)

"سنو۔ تمہارا دل کیوں ٹوٹا ملاکہ میں؟" وہ باہر نکلتے ہی اس پہ گرجی۔ ساتھ ہی گیلی آنکھیں رگڑ کے صاف کیں۔

"میرے دل کو چھوڑیں۔ اپنے کی فکر کریں۔ جب وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے آپ کو چھوڑیں گے تو آپ کا دل بھی ٹوٹے گا۔" وہ جل کے بولا اور قدم بڑھا دیے۔

"میرا دل تو مجسمے تلے دفن ہے، شاہی مورخ۔ میرا خزانہ، میرا مستقبل۔" وہ پھر سے خوشگوار موڈ میں آ گئی تھی، جیسے بارش کے بعد سارا منظر صاف ہو جاتا ہے۔

باہر سڑک کے دونوں اطراف کی دکانیں اور ریستوران ابھی تک کھلے تھے۔ شور، رش، آوازیں۔ سڑک پہ چلتی گاڑیاں۔ وہ باہر آئی تو ایک دم گھبرا گئی۔ دل پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ کیسی عجیب جگہ ہے۔" سڑک بمشکل پار کی اور جھرجھری لے کے ایڈم سے بولی۔

پھر اس ریستوران کے سامنے رکی۔ باہر میز کرسی اسی طرح لگی تھی اور اس پہ ہاٹ چاکلیٹ رکھا تھا۔ بل اس نے ادا نہیں کیا تھا، اسلئے ویٹر نے ہاٹ چاکلیٹ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ابھی تک تازہ تھا۔

یہ اس نے آرڈر کیا تھا۔ آدھ گھنٹہ پہلے۔ یا پھر.... چار ماہ پہلے۔ وقت کے سارے حساب وہ کتاب الٹے ہو گئے تھے۔ وہ اداسی سے مسکرا دی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔

"سنو.... تم میرے ساتھ آنا.... بس سے مت جانا۔ میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گی۔" فراخ دلی سے پیش کش کی۔

"میں اس حلیے اور اس گندے میلے چہرے کے ساتھ بس میں جا بھی نہیں رہا۔"

وہ کار کے قریب آئی تو یاد آیا۔ چابی.... چابی کہاں گئی؟ پرس کہاں گیا؟ شاید ساتھ لے گئی تھی۔ وہ تو جنگل میں کھو گئی تھی جب ان کو قیدی بنا کے ان کا سامان ضبط کیا گیا تھا۔ اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔ اب اتنے لوگوں کے سامنے وہ کار کو "کسی اور طریقے" سے نہیں کھول سکتی تھی۔

"چلو کسی ریستوران سے منہ ہاتھ دھو لیتے ہیں اور پھر ٹیکسی کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔ بس کا ٹکٹ کیسے خریدیں گے۔ ٹیکسی کو گھر کے پاس اتار کے میں پیسے اندر سے لا دوں گی۔"

"دو گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ ٹیکسی والا بہت پیسے لے گا۔"

''بے فکر رہو، ہم بہت جلد بہت امیر ہونے والے ہیں۔'' وہ واقعی بے فکری سی آگے بڑھ گئی۔

''آپ کو وان فاتح کا انداز کچھ عجیب سا نہیں لگا۔'' وہ ساتھ چلتا الجھا ہوا سا کہہ رہا تھا۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

''انہوں نے اپنی بیوی کو سمجھو دھوکہ دے کر ایک شہزادی سے نکاح کیا ہے۔ وہ اس نکاح کو ختم کرنے تک ڈسٹرب رہیں گے' ایڈم۔ سمجھا کرو۔'' وہ خود کو مطمئن کر چکی تھی۔

جدید ملاکہ کے بازار میں شہزادی اور مورخ ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

ٹیکسی نے ایڈم بن محمد کو اس کے گھر کے باہر اتارا تو اس کے نکلنے سے قبل تالیہ نے تاکید کی تھی۔

''صبح اپنی سم نکلوا لینا اور نیا فون لے لینا۔ میں کال کروں گی۔ تمہارا نمبر میرے آئی کلاؤڈ میں محفوظ ہوگا۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے بیک ویو مرر میں اس لڑکی کو دیکھا جو پچھلی سیٹ پہ بیٹھی باہر نکلتے نوجوان کو ہدایت دے رہی تھی۔ بندھے بال رف ہو رہے تھے۔ سوتی سادہ باجو کرنگ پہنے وہ کسی لمبے سفر سے لوٹی لگتی تھی۔ اور وہ نوجوان.... ڈرائیور نے ایک تنقیدی نظر اس پہ ڈالی جو ''اچھا'' کہتا دروازہ بند کر رہا تھا۔ اس کا لباس زیادہ عجیب تھا۔ پاجامہ اور قمیض بے ڈھنگی سی سلی تھی اور اوپر بنا آستین کے نیلی جیکٹ۔ بال بھی کانوں سے نیچے تک آ رہے تھے جیسے کافی دن سے کٹوانے کی زحمت نہ کی ہو۔ ان دونوں کے لباس اور جوتوں پہ جگہ جگہ کانٹے اور مٹی لگی تھی۔ چہرے شاید دھو لیے تھے۔

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟'' سڑک پہ کار ڈالتے ہوئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

پیچھے بیٹھی تالیہ نے کھڑکی سے نظر ہٹا کے اس کے سر کی پشت کو دیکھا۔ ''ملاکہ سے۔''

''کوئی حادثہ وغیرہ ہو گیا تھا کیا؟ یعنی.... کار وغیرہ چھن گئی؟''

''ہاں' حادثہ ہو گیا تھا' مگر شکر ہے جان بچ گئی۔'' وہ واپس شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

کار اب مرکزی شاہراہ پہ آ چکی تھی۔

جگمگاتی آسمان کو چھوتی عمارتیں.... سڑک کنارے لگی چم چم کرتی بتیاں..... بھاگتی ٹریفک..... وہ بس مسحور سی ہو کے کوالالمپور کی مصروف زندگی کو دیکھ رہی تھی۔

یہ کیسی دنیا تھی جہاں ہر کوئی بھاگ رہا تھا... سب کو جلدی تھی...

کام ختم کرنے کی جلدی.... نیا کام شروع کرنے کی جلدی.... کامیاب ہو جانے کی جلدی... اچھا بن جانے کی جلدی... ہر کام میں جلدی...

کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ ہر چیز ایک کٹھن عمل سے گزر کے مکمل ہوتی ہے؟

ہر کام میں وقت لگتا ہے۔اور لگنا بھی چاہیے۔

مگر ان لوگوں کا وقت پہ زور نہیں چلتا' یہ اس کو روک نہیں سکتے سو اپنی رفتار تیز کر دینا چاہتے ہیں۔

لیکن شاید وقت کو روکنا ضروری نہیں ہوتا۔

ضروری صرف ایک ایک لمحے کو جی لینا ہے۔اسے ضائع کیے بغیر۔

اس نے شیشہ گرا دیا اور کے ایل کی ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے سے کھیلنے کی اجازت دے دی۔پھر آنکھیں موند لیں۔

وقت۔سارے کھیل وقت کے ہی تو تھے۔

کسی کا اس پہ زور نہیں چلتا تھا۔

☆......☆......☆

کے ایل پہ سترہ جولائی کی صبح طلوع ہوئی تو شہر کے سارے پھول مہک اٹھے۔آج آسمان صاف تھا۔بارش کا کوئی امکان نہ تھا۔تالیہ نے اپنے کمرے کے پردے ہٹائے تو کھڑکی بے نقاب ہوئی اور ڈھیر ساری روشنی اندر آئی۔اس نے آنکھیں چندھیا لیں۔

ایک نئی صبح....ایک نئی زندگی....ایک مختلف دنیا۔

وہ سادہ ٹراؤزر اور قمیض میں ملبوس کھڑی تھی۔گیلے بال تولیے میں لپٹے تھے۔

اس نے جیسے پانی سے اپنے وجود پہ ان چار ماہ کے تمام نشان دھو ڈالنے کی کوشش کی تھی۔چار ماہ میں سر کی جڑوں سے دو انچ جتنے سیاہ بال نکل آئے تھے اور سنہری ڈائی نیچے چلا گیا تھا۔اس لئے صبح صبح اٹھ کے اس نے اپنے بال واپس سنہری رنگے۔پھر خود ہی ان کو ذرا کاٹ کے لمبائی برابر کی تھی۔ای میل کھول کے یاد کیا کہ جانے سے پہلے کیا مصروفیات رہی تھیں۔اپنے پرانے شیڈیول کو پھر سے ذہن نشین کیا۔عصرہ کی نیلامی سر پہ آئی کھڑی تھی۔وہاں بھی جانا تھا۔غرض وہ صبح تک خود کو 2016 کے کے ایل میں فٹ کر چکی تھی۔

مگر کیا واقعی؟

وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی تو سارا گھر نیا نیا سا لگ رہا تھا۔گو کہ ہر شے وہیں تھی' مگر 'احساس' نیا تھا۔ریلنگ کی ٹھنڈی لکڑی پہ ہاتھ گزارتی....پینٹ شدہ دیواروں اور جا بجا لگے شیشوں پہ نظر دوڑاتی' اس نے آخری زینے پہ قدم رکھا تو سامنے صوفے پہ داتن بیٹھی تھی۔

میز پہ پلیٹ میں کوئی مرغن ڈش اور فرنچ فرائز سجائے وہ چھری کانٹے سے جھک کے کھانے میں مشغول تھی۔اسے دیکھ کے ابھی سر اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ تیزی سے اس کی طرف بھاگی اور اس کو گلے لگایا۔

''اوہ لیانہ صابری۔میری موٹی مرغی....تم کیسی ہو۔'' خوشگوار حیرت کے ساتھ کہتی وہ علیحدہ ہوئی تو داتن نے اسے یوں دیکھا

جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر سمجھ کے گہری سانس لی۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' مشکوک نظر اس پہ ڈالی مگر تالیہ کا موڈ اتنا اچھا تھا کہ اس نے بس مسکرا کے شانے اچکا دیے اور اس کی پلیٹ سے آلو کا چپس اٹھا کے منہ میں رکھا۔

''بس تمہیں اچانک سے اپنے گھر میں دیکھا تو محبت کا اظہار کر ڈالا۔ چاہیے کچھ نہیں۔''

''اچانک مطلب؟ میں تو روز ہی ادھر ہوتی ہوں۔''

تالیہ نے جواب دیے بنا چپس اور اٹھائے۔ پھر محسوس کیا' داتن اس کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ وہ ذرا سنبھلی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''تم کچھ.... مختلف لگ رہی ہو۔'' داتن ذرا الجھی تھی۔

''اچھا؟ وہ کیسے؟'' اس نے سرسری سے انداز میں بے پرواہی سے کہا تو داتن سے سر جھٹکا۔

''تمہارا وزن شاید بڑھنے لگا ہے' تالیہ۔ گال ذرا پھولے لگ رہے ہیں۔'' وہ جو اگلے چپس کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی' رک گئی۔ ''ہاں' میں کھانے بہت لگی ہوں۔ دو دن احتیاط نہ کروں تو تمہارے جیسی ہو جاؤں گی۔ اف۔'' جھرجھری لے کر اٹھی اور داتن سے نگاہ ملائے بغیر اوپن کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''رات میں نے تمہیں اتنی کالز کیں۔ تم نے فون نہیں اٹھایا۔''

''ہاں وہ میرا فون کھو گیا تھا۔ ملاکہ میں۔'' وہ چولہے تک آئی اور غائب دماغی سے برتنوں کو دیکھا۔ کون سی چیز کہاں رکھی تھی؟ کون سے بٹن سے کون سا برنر چلتا تھا؟ قہوہ کیسے بنائے؟ مگر قہوہ کہاں سے آ گیا؟ اف وہ پہلے کس چیز سے ناشتہ کیا کرتی تھی؟

''تم ملاکہ کیوں گئیں' تالیہ؟'' داتن نے افسوس سے اس کی پشت کو دیکھا۔ ''تم اس خزانے کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ اس ملعون چابی کو مکمل کرنے کی کوشش....''

''میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ اس کی طرف گھومی اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے سادگی سے بولی۔ ''مجھے یقین آ گیا ہے۔ وہ چابی' وہ خزانہ' وہ سب ملعون ہے۔ میں اب اس کا پیچھا نہیں کروں گی۔ خوش؟''

داتن نے ابرو بھینچ کے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''ارے واہ' اتنی جلدی مان گئیں تم؟''

''ہوں!'' اس نے شانے اچکائے اور واپس گھوم گئی۔ دھیرے دھیرے کچن کی ترتیب یاد آتی جا رہی تھی۔

''کوئی بات ہے' تالیہ؟'' داتن ذرا اچنبھے سے اس کو کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ ''کل تک تم دیوانی ہو رہی تھیں' اس خزانے کے لئے اور آج....''

''اف داتن!'' وہ مڑے بغیر برتن پٹخ پٹخ کرتی مصنوعی ناگواری سے بولی۔ ''ایک تو تمہاری بات مان رہی ہوں' اوپر سے....''

''یہ انگوٹھی کہاں سے لی؟ دکھاؤ!'' لیانہ صابری کو اس کے برتن پٹختے ہاتھوں میں وہ انگوٹھی اب نظر آئی۔ ذرا سی جھلک نے اس کی جوہری جیسی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ وہ اٹھی اور تیزی سے لپک کے تالیہ کے سامنے آئی۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کے بے یقینی سے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ سرخ آنسو شکل یاقوت کے گرد ننھے ہیرے لگے تھے۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور سونا بھی چوڑا اور بھاری تھا۔ داتن نے اس کی انگلی سے سرعت سے انگوٹھی نکالی اور اوپر کر کے روشنی میں اسے دیکھا۔

''میرے خدا.... یہ تو بہت قیمتی ہے۔ یہ نئی خریدی ہے کیا تم نے۔'' وہ انگشتِ بدنداں رہ گئی تھی۔

''تالیہ نے پہلے کبھی زیور ''خریدا'' ہے جواب خریدے گی؟ لاؤ واپس کرو۔'' نروٹھے پن سے کہتے اس نے انگوٹھی واپس لی اور انگلی میں ڈالی۔

''میں سمجھ گئی!'' داتن نے پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے اس کو مشکوک نظروں سے گھورا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

'کیا؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''تم نے خزانے کا خیال اس لئے ذہن سے نکال دیا ہے کیونکہ تمہیں کسی اور واردات کا موقع مل گیا ہے۔ یہ تم نے کسی کی چرائی ہے نا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ جلدی بتاؤ کیا معاملہ ہے۔''

''تم جانتی ہو کہ جب تک میں خود نہ بتانا چاہوں' تم مجھ سے نہیں اگلوا سکتیں' اس لئے کیوں نا ہم ابھی بیٹھ کے ناشتہ کریں۔ اچھے دوستوں کی طرح۔'' اس نے نرمی سے داتن کے کندھوں پہ ہاتھ رکھا تو اس نے شک بھری نظروں سے تالیہ کو دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو' تالیہ۔''

''ظاہر ہے میں تم سے کچھ چھپا رہی ہوں۔ لیکن ابھی میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ ابھی مجھے زیادہ بڑے مسئلے درپیش ہیں۔''

''اوہ ہاں۔ سمیع جیسے۔'' داتن سنجیدہ ہوئی۔

''سمیع؟'' تالیہ نے یاد کرنا چاہا۔ (سمیع کا کیا مسئلہ تھا؟)

اور پھر جھماکے سے یاد آیا۔ سمیع.... اس کا سابقہ شوہر.... اس کو دھمکا رہا تھا۔ پیسے مانگ رہا تھا' ورنہ وہ وان فاتح اور راشعر کو بتا دے گا کہ وہ کوئی امیرزادی نہیں ہے' بلکہ طلاق یافتہ اور..... وہ ایک دم ہنس پڑی۔

اب یہ ساری باتیں ثانوی ہو گئی تھیں۔ فاتح کو چار ماہ پہلے جنگل میں اس نے سب بتا دیا تھا اور وہ دونوں اتنا آگے نکل آئے تھے کہ ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

''سمیع....'' وہ مسکرا کے سر جھٹکتی قہوہ پیالی میں انڈیلنے لگی۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی داتن ہنوز خفگی اور شک بھری نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر پہ صبح روشن ہو چکی تھی۔ مرغیاں اپنے ڈربے میں کٹ کٹا رہی تھیں اور بلی دھوپ سے چمکتی دیوار پہ سو رہی تھی۔

اندر کچن میں ناشتے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ گول میز کے گرد محمد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ایبو (ماں) چولہے کے سامنے کھڑی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' ڈھیلے ڈھالے باجو کرنگ میں ملبوس' وہ آستین اوپر چڑھائے کام میں مصروف تھی۔

''ایڈم کہاں ہے؟'' محمد صاحب نے چونک کے ایک دم پوچھا تو ایبو پلٹی اور سادگی سے ان کو دیکھ کے بولی۔

''کل اچانک سے ملاکہ چلا گیا تھا۔ رات دیر سے واپس آیا۔ میں کھانا گرم کرنے اٹھی مگر کمرے میں چلا گیا اور اندر سے آواز لگا دی کہ تھکا ہوا ہے' سونا چاہتا ہے۔ میں نے بھی تنگ نہیں کیا۔''

''اور اب؟''

''اب صبح سویرے جب میں باتھ روم میں تھی تو باہر جانے کی آواز آئی تھی۔ لو آ گیا۔''

اسی اثناء میں راہداری کا دروازہ کھلا تو ایبو نے گہری سانس لی۔ ''ایڈم.... ناشتہ لگ گیا ہے۔ ادھر آ جاؤ'' ساتھ ہی آواز دی۔

محمد صاحب اخبار پڑھتے ہوئے چائے پیتے رہے۔ دفعتاً ایڈم اندر داخل ہوا اور سلام کہہ کے نظر ملائے بغیر کرسی کھینچی۔

ایبو نے اس کے لیے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکالے اور میز تک آئی تو لمحے بھر کو دھک سے رہ گئی۔ ''یا اللہ ایڈم.... یہ بالوں کو کیا کیا؟''

محمد صاحب نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

وہ سادہ ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور بال.... بال بالکل چھوٹے کٹوا لیے تھے۔ ''کل'' سے پہلے جتنے بال تھے' اس سے بھی کافی چھوٹے۔

''یونہی' ماں۔ گرمی بڑھ گئی ہے۔ تو سوچا... بال کٹوا لوں۔'' وہ مسکرا کے تازہ دم سا بولا۔

''چلو.... اچھا کیا۔ بال کٹوانے سے تمہاری رنگت کتنی صاف نکل آئی ہے۔''

محمد صاحب نے بھی ایک تائیدی نظر اس پہ ڈالی اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایڈم نے بس سعادت مندی سے سر ہلایا۔ ''بس ماں.... صرف بالوں کی وجہ سے لگ رہا ہے۔ ورنہ رنگت تو ایسی ہی تھی پہلے بھی۔'' نظریں چرا کے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔ ناسی لیما کی خوشبو بھوک بڑھا رہی تھی۔ چاولوں کے ساتھ مونگ پھلی کا سالن۔ اس نے ایک چمچ منہ میں ڈالا تو ماں کے ہاتھ کا ذائقہ یاد آیا۔ ساتھ ہی

قدیم ملاکہ کے سارے کھانے۔ گراس ہوپرز سے محل کے لوازمات تک۔ ایک فلم سی چل گئی۔

''فاتح صاحب سے جو بات کرنے گئے تھے' وہ کرلی؟''

''وہ....'' ایڈم نے نوالہ نگلتے ہوئے یاد کیا۔ ''ہاں جی' وہ کرلی۔''

''کون سی بات؟'' محمد صاحب نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا تو ایبو سامنے والی کرسی کھینچتے ہوئے بولی۔

''کل جلدی میں جب نکلا تھا تو کہہ رہا تھا کہ وہ جو امیر زادی فاتح صاحب کے خاندان کو ٹکرائی ہے' اس کی اصلیت کھولنے جا رہا ہے۔ وہ شاید کوئی مجرمانہ عزائم رکھتی تھی۔''

''اوہ.. ایسے لوگوں کو ضرور بے نقاب کرنا چاہیے. تم نے اچھا کیا!''

ایڈم نے زور سے گلاس میز پہ رکھا۔

''وہ....وہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' جلدی سے تردید کی۔ گال گلابی ہو گئے۔

''مگر تم خود تو کہہ رہے تھے کہ اس کو تم نے نوکرانی بنے دیکھا تھا اور اب وہ امیر بننے کی اداکاری کر رہی ہے۔''

''وہ... نوکرانی ... نہیں ہے' ایبو۔ وہ واقعی .... واقعی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ سمجھ لیں ملک کے سب سے اعلیٰ خاندان سے۔'' اس کو وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے وہ سچ کے دائرے میں رہ کے اپنا راز محفوظ رکھتے ہوئے جواب دے سکے۔

''یا اللہ ایڈم.... اگر ایسی بات تھی تو اتنے دن سے خود کو پریشان کیوں کر رہے تھے اس کے پیچھے؟''

''میں چلتا ہوں' ایبو۔'' وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مزید بیٹھا رہا تو شاید گھبرا جائے۔ وہ تو اس ڈر سے ماں باپ سے گلے بھی نہ ملا تھا کہ وہ شک میں نہ پڑ جائیں۔

''نوکری ڈھونڈنے جا رہے ہو؟''

سوال پہ وہ ٹھٹکا۔ نوکری؟ اس کے پاس نوکری نہ تھی؟

وہ بے روزگار تھا؟ وہ شاہانہ وظیفے پہ مامور شاہی مورخ نہ تھا؟

اوہ.... اسے تو اس دنیا میں نوکری بھی ڈھونڈنی تھی اور اس کی شادی بھی ہونا تھی۔ ایک دم کندھوں پہ بہت سا بوجھ آن گرا۔

''آ.....جی.... میں....'' وہ ہکلایا۔ پھر باپ کو دیکھا۔ ''بابا.... مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے' موبائل گم گیا ہے تو نیا لینا ہے۔''

''کیسے گم گیا؟'' انہوں نے اخبار رکھی بٹوہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

''ملاکہ میں چھن گیا۔'' اس نے تھوک نگلا۔ پیسے لے کر اس کو جلد از جلد گھر سے نکلنا تھا تا کہ وہ سنبھل سکے۔ وہ تو ان سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

2016 کا کے ایل پہلے کبھی اتنا مشکل نہیں تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

کے ایل پہ دوپہر اتری تو پارک کی جھیل دھوپ میں چمکنے لگی۔ اطراف میں دور دور تک گھاس پھیلا تھا۔ ایک طرف درخت تھے اور سامنے لمبا ٹریک۔ ٹریک کے ساتھ بنچ رکھا تھا جس پہ وہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں نیا فون پکڑ رکھا تھا۔ سیاہ لمبی اسکرٹ بلاؤز پہ سرخ منی کوٹ پہنے' سنہری بالوں کو کھولے' سر پہ ترچھا کر کے سفید ہیٹ پہنے' وہ منتظر سی دائیں طرف ٹریک کو دیکھ رہی تھی جب بائیں طرف سے ایڈم چلتا ہوا آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

ڈریس شرٹ پہنے' کف کے بٹن بند کیے' چھوٹے چھوٹے بالوں میں وہ سنجیدہ سا نظر آتا تھا۔

''تم مجھے تعظیم پیش کیے بغیر ہی بیٹھ گئے۔'' شہزادی کی طبع پہ یہ بات ناگوار گزری تھی۔ ایڈم نے جل کے اسے دیکھا۔

''آپ غالباً ابھی تک قدیم ملاکہ سے واپس نہیں آئیں۔'' طنز کر کے بولا تو اس نے گہری سانس لی اور جھیل کو دیکھنے لگی۔

''شاید واقعی.... میں واپس نہیں آئی۔ ذہن ابھی تک اسی جگہ مقید ہے۔ خوشی سے نہیں' عادت سے۔ کے ایل کو دوبارہ سمجھنے میں ذرا وقت لگے گا۔''

اس کی بات ایڈم کو بھی اداس کر گئی۔

''میں نے تو بال اس لئے کٹوا لیے تاکہ سب کی نظریں بالوں پہ جائیں اور رنگ پہ نہیں۔ مگر ماں نے فوراً سے بھانپ لیا کہ میری رنگت اچھی ہو گئی ہے۔''

''ہاں.... چھ سو سال پہلے کی خالص خوراک نے ہمیں کافی صحت مند بنا دیا ہے۔''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' وہ بگڑ کے بولا۔ تالیہ نے پہلے اسے گھورا۔ پھر اس کے دائیں ہاتھ کو۔ لیکن پھر ضبط کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

''کبھی کبھی سچ بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے' چے تالیہ۔ میں چاہ کے بھی ماں اور بابا کو نہیں بتا سکتا کہ میں کل ایک رات میں کن زمانوں سے پھر آیا ہوں۔''

''میں بھی داتن کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ کوئی ہمارا یقین نہیں کرے گا' ایڈم۔''

''آپ تو شاید اتنے رازوں کے ساتھ رہ سکتی ہیں مگر میرے لئے یہ چھپانا مشکل ہے۔ اس لئے کچھ وقت گھر سے باہر رہوں گا تاکہ جب تک نارمل نہیں ہو جاتا' ماں سے کم سے کم سامنا ہو۔'' پھر اس نے یاسیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ''ہم نارمل ہو جائیں گے نا' چے تالیہ؟''

وہ جواباً اسے دیکھ کے مسکرائی۔

''وقت سب سے بڑا مرہم ہے' ایڈم۔ وقت بہت کچھ خود ہی ٹھیک کر دیتا ہے۔''

''وقت!'' ایڈم نے گہری سانس لی۔

''تمہاری وان فاتح سے بات ہوئی؟'' اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔ ایڈم نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھ سے ان کا نمبر کھو گیا ہے۔ آپ کی طرح کوئی آئی کلاؤڈ اکاؤنٹ تو ہے نہیں مجھ غریب کا جو سارے کانٹیکٹس محفوظ ہوں۔ ای میل بھی نہیں کی انہوں نے۔ میرے پاس تو آپ کا نمبر بھی نہیں تھا۔''

''شکر مجھا امیر کے سارے کانٹیکٹس محفوظ تھے۔ اسی لئے تمہیں کال کر لی۔'' جل کے بولی۔ پھر گہری سانس بھری۔ ''ان کو کال کی تھی میں نے لیکن ان کا نمبر آف جا رہا ہے۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔''

''چے تالیہ۔'' ایڈم بنچ پہ بیٹھا بیٹھا اس کی طرف گھوما۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ ''آپ کو نہیں لگتا وان فاتح ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔''

''مجھے لگتا ہے وہ ڈسٹرب ہیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کو....''

''اگر وہ بیوی کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں تو اس دن ہوتے جب آپ سے نکاح کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت سے ڈسٹرب ہیں جب سے وہ مراد راجہ کے ساتھ سن باؤ کے گھر آئے تھے۔ یہ آپ کے ولن نما والد نے ضرور کچھ کیا ہے میں بتا رہا ہوں۔''

''مجھے بھی یہی شک ہے لیکن ایک بات میں نے ان چار ماہ میں سیکھی ہے ایڈم' کہ وقت کے ساتھ سچ خود ہی سامنے آ جاتا ہے۔ وقت اور سچ کا لین دین چلتا رہتا ہے۔'' وہ مطمئن تھی۔

''پتہ نہیں کیا بات ہے۔ مجھ سے تو وہ بات ہی نہیں کر رہے تھے۔'' وہ پھر سے خفا ہوا۔

''اپنے احساسِ کمتری سے نکل کے جینا سیکھو' ایڈم۔ اور ہم نے بھی تو ان سے خزانے والی بات چھپائی ہے نا۔ پھر اگر انہوں نے کچھ چھپا بھی لیا تو....؟''

ایڈم نے چونک کے بنچ کے دوسرے سرے پہ بیٹھی ترچھے ہیٹ والی لڑکی کو دیکھا۔

'ہاں وہ خزانہ....وہ کب نکالیں گے ہم؟ وہ تو فاتح صاحب کے گھر میں ہے۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے' بی' سی' سب تیار ہیں۔ نہ صرف ہم خزانہ نکالیں گے' بلکہ اس کو بلیک مارکیٹ میں بیچ کے امیر بھی ہو جائیں گے۔''

''پھر مجھے کسی نوکری کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔

''ہاں' اور پھر تم خوب شاندار طریقے سے اپنی شادی کرنا۔''

''شادی؟'' وہ چونکا۔''ہاں...دو ماہ بعد میری شادی ہے۔''

''مجھے کتنا الزام دیتے تھے کہ تمہاری شادی میری وجہ سے نہیں ہو پائی۔شکر ہے اب یہ الزام تو نہیں دے سکو گے۔''

''اگر میری شادی نہ ہوئی تو الزام آپ کے ہی سر ہوگا' چے تالیہ۔'' وہ زیرِ لب بولا مگر تالیہ سن نہ سکی۔وہ پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو رہی تھی۔

''فاتح صاحب سے ملنے چلتے ہیں کسی دن۔ان کے اردگرد لوگ بہت ہوتے ہیں اس لئے یوں ایک منہ اٹھا کے نہیں جا سکتے۔ بلکہ ....'' اسے یاد آیا۔''نیلامی پہ چلتے ہیں دونوں۔وہاں ملاقات ہو جائے گی ان سے۔اور پھر ہم ان سے پرائیوٹ ملاقات کے لیے وقت مانگ لیں گے۔'' پھر وہ ذرا سا ہنسی۔''وہ وان فاتح جن سے ملنے کے لئے ایک دنیا کئی کئی ہفتے پہلے سے اپائنٹمنٹ لیتی ہے' ان کو اب فوراً ہمیں اپائنٹمنٹ دینی پڑے گی۔کیونکہ دنیا والے نہیں جانتے کہ ہم نے ایک زمانے کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔'' اس کے انداز پہ ایڈم بھی مسکرا کے اٹھا۔

''اچھا تو میں نیلامی میں آپ کا پلس ون بن کے جاؤں گا۔''

تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔''مت بھولو کہ میں شہزادی ہوں اور تم وہ قیدی جس کا....''

''جس کے دائیں ہاتھ پہ آپ بری نظر رکھنا چھوڑ دیں تو بہتر ہوگا' چے تالیہ بنتِ مراد۔'' وہ اعتماد سے کہتا اس کے مقابل کھڑا ہوا۔''یہ دو ہزار سولہ کا کے ایل ہے۔اور ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں۔یہاں سارے شہری برابر ہوتے ہیں۔میں اور آپ....ہم یہاں برابر ہیں۔آپ یہاں شہزادی نہیں ہیں۔''

وہ بنچ کے ساتھ کھڑے تھے۔دائیں ہاتھ وسیع جھیل تھی جس کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔تالیہ نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہیٹ سیدھا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

''شہزادی نہ سہی' میں ملک کے اگلے وزیرِ اعظم کی بیوی ضرور ہوں' ایڈم۔تمہاری فرسٹ لیڈی۔چاہے تھوڑے دن کے لئے ہی سہی۔''

ایڈم پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔دل ڈوب کے ابھرا۔

''میں چاہوں گا کہ آپ ہمیشہ فرسٹ لیڈی رہیں اور یہ مقام وہ آپ سے کبھی واپس نہ لیں۔''

''ارے چھوڑو ایڈم۔میں ایسے خواب نہیں دیکھتی۔بس ہم ساری عمر دوست رہیں' اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔بھلے وہ کل ہی مجھے چھوڑ دیں۔'' پھر رخ موڑ لیا۔آنکھوں میں تکلیف سی ابھری تھی۔''وہ اگر تمہیں میرے لئے کوئی پیپر ای میل کریں تو مجھے بتا دینا۔'' ہیٹ درست کرتی' بیگ کندھے پہ لٹکاتی' وہ ٹریک کی طرف بڑھ گئی۔

ایڈم اداسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔نئے زمانے کی نئی پیچیدگیاں۔

☆......☆......☆

نیلامی کی تقریب عصرہ اور فاتح کی رہائشگاہ پہ منعقد ہوئی تھی۔ سنہری اور سفید رنگ سے سارے میں آرائش کی گئی تھی۔ لان میں کرسیاں دو قطاروں کی صورت سجائی گئی تھیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ دوسری طرف بفے ٹیبلز لگی تھیں۔ جگہ جگہ سجے سفید اور سنہری پھولوں کے گلدستے تقریب کو ایک باوقار رنگ دے رہے تھے۔

تقریب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ بہت سے مہمان آ چکے تھے مگر بہت سوں نے آنا تھا۔ ڈرنکس سرو کی جا رہی تھیں اور لوگ ٹولیوں کی صورت لان میں پھیلے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

عصرہ لان کے دہانے پہ بچھے سرخ کارپٹ پہ استقبالی انداز میں کھڑی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ساتھ موجود ملازمائیں ہر آنے والے کو راستہ دکھاتیں۔ عصرہ کے ساتھ اس کا بیٹا سکندر کھڑا تھا۔ گیارہ سال کا لڑکا سوٹ اور ٹائی پہنے بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ ماں کی طرح وہ بھی مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔

تالیہ اور ایڈم جب کار سے اتر کے کھلے گیٹ سے اندر آئے تو سرخ کارپٹ کے سرے پہ کھڑی عصرہ نے دور سے ان کو دیکھ لیا تھا۔ مسکرا کے وہ چند قدم آگے آئی۔ بالوں کو نفاست سے جوڑے میں باندھے' موتیوں کی لڑی گردن میں پہنے' وہ سفید اور سنہری باجو کرنگ میں ملبوس تھی اور سنہری اسٹول کندھے پہ پن سے جما رکھا تھا۔ میک اپ سے سجی سنوری وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

جیسے جیسے وہ قدم اس کی طرف بڑھا رہی تھی' تالیہ کے اندر اداسی پھیلنے لگی۔

عصرہ نہیں جانتیں کہ فاتح اور میں نے.... پھر اس نے سر جھٹکا اور مسکرا کے آگے بڑھی۔ عصرہ اس سے گال سے گال ٹکرا کے گلے ملی۔ پھر علیحدہ ہو کے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو تالیہ۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

تالیہ جواباً دقت سے مسکرائی۔ اس نے سنہری رنگ کی انڈین ساڑھی باندھ رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے ذرا پیچھے تک ختم ہوتے تھے۔ سنہری بالوں کو گھنگریالہ کر کے چہرے کے ایک طرف ڈالے وہ قدیم ملاکہ سے لائے گئے ننھے ٹاپس اور ہیرے کا لاکٹ پہنے ہوئے تھی۔ عصرہ کی نظر اس کے سجے سنورے چہرے سے ہوتی زیور پہ جا ٹھہری.... لیکن مزید تعریف کرنا اس کی شان کے خلاف تھا۔ بس مسکرا کے ساتھ کھڑے نوجوان کو دیکھا تو چونکی۔

وہ سیاہ کوٹ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس' کٹے ہوئے بالوں والا' قدرے غیر آرام دہ نظر آتا تھا' ایڈم تھا۔

''ایڈم!'' اس کے ابرو تعجب سے اٹھے۔

''ایڈم سے آپ کی طرف ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اس کی جاب ختم ہو گئی ہے۔ اب میں اس کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تا کہ اس کی جاب کا بندوبست کر سکوں۔ ہم اچھے دوست بن گئے ہیں' اس لئے میں نے....''

''اچھا کیا تم اس کو لے آئی۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کے ایڈم!'' عصرہ جبراً مسکرائی۔ اگر اسے اچھا نہیں بھی لگا تھا تو اس نے ظاہر نہیں کیا۔

عصرہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہ دونوں آگے لان تک آئے تو ایڈم نے جھک کے سرگوشی کی۔ ''مسز عصرہ نے مجھے وقت سے پہلے نوکری سے نکال دیا تھا تاکہ میں فاتح صاحب کے سامنے ان کا بھانڈا نہ پھوڑ دوں کہ اس روز آپ کی کار میں واپس کرنے گیا تھا۔ انہوں نے فاتح صاحب کو بتایا تھا کہ کار آپ خود لینے آئی تھیں اور آپ نے فائل چرالی۔''

''مگر عصرہ کی سازشیں ناکام ہوئیں کیونکہ ہم وان فاتح کو جنگل میں ساری حقیقت بتا چکے ہیں۔ امید ہے اب تک فاتح صاحب نے گھائل غزال کو بھی نیلامی سے ہٹا دیا ہوگا کیونکہ وہ نقلی ہے اور اشعر اس کو بکوا کے عصرہ اور فاتح کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔'' تالیہ بظاہر مسکرا کے اطراف میں دیکھتی زیرِ لب کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے تھے اور اس کی نظریں مسلسل کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''وہ رہی آپ کی بنائی گئی پینٹنگ۔'' ایڈم نے نیلامی کی کرسیوں کے سامنے اسٹیج پہ رکھے عصرہ کے پورٹریٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی۔ وہ خوبصورت پورٹریٹ اپنے سارے وقار کے ساتھ آویزاں ہر ایک کی توجہ کھینچ رہا تھا۔ اسے بے اختیار کچھ یاد آیا....

(قدیم ملاکہ کا محل....سبزہ زار پہ بنی لکڑی کی کینوپی....اس پہ براجمان ملکہ یان سوفو....اور سامنے بیٹھی شہزادی اس کو ایک پورٹریٹ دکھا رہی تھی....ملکہ کی تصویر.....)

تالیہ نے سر جھٹکا۔ یہ قدیم ملاکہ بار بار کیوں یاد آجاتا تھا؟

''اور وہ رہے وان فاتح۔''

''کدھر!'' اس نے بے قراری سے ایڈم کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔

قدرے فاصلے پہ ایک پھولوں سے سجا ستون تھا اور اس کے ساتھ فاتح کھڑا تھا۔ اشعر اور اس کا باڈی مین عبداللہ بھی ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں گلاسز تھے اور وہ کسی بارے میں بات کر رہے تھے۔

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

وہ سیاہ کوٹ کے اندر سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شیو بنائے' بال دائیں طرف کو جمائے' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ ازلی پرسکون انداز' ازلی شاہانہ مسکراہٹ۔ گلاس پکڑے ہاتھ پہ بینڈیج لگا تھا۔ چہرے کے زخم مندمل تھے البتہ کنپٹی پہ مدھم سا کٹ یہاں سے بھی نظر آرہا تھا۔

وہ ایڈم کو یکسر بھلائے کسی خواب کی سی کیفیت میں اس کی طرف بڑھی۔ کلچ تھامے' سنہری ساڑھی سنبھالتی وہ گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔

وہ جدید کے ایل میں یوں پہلی دفعہ ملیں گے۔ اتنے لوگوں کے درمیان۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرائے گا؟

یا بعد میں ملنے کا کوئی اشارہ کرے گا؟

یا کوئی معنی خیز بات مسکرا کے کہے گا جس کا مطلب صرف وہ دونوں جانتے ہوں گے...؟

وہ قدم اٹھا رہی تھی...

اس پارٹی میں موجود یہ تمام بااثر طاقتور لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ دونوں کس دنیا کے ساتھی تھے....

وہ قریب آ رہی تھی جب کوئی صاحب آئے اور فاتح سے ہاتھ ملایا۔ اس نے گرمجوشی سے ہاتھ تھاما تو ان کی نظر اس کے پٹی زدہ ہاتھ پہ گئی۔ پھر کنپٹی کے زخم پہ۔

"اوہ آپ ٹھیک ہیں سر؟ یہ کیا ہوا؟"

"ارے یہ کچھ نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ "رات کو باتھ روم کے لئے اٹھا تو اندھیرے کے باعث ٹھوکر لگ گئی۔"

"الیکشن قریب ہیں سر۔ ٹھوکروں سے اجتناب کریں۔"

جواباً وہ تمام افراد ہنس دیے۔ اشعر نے تالیہ کو نہیں دیکھا تھا' وہ ان صاحب کو گرمجوشی سے ملتا انہیں لئے آگے بڑھ گیا تو پل بھر کے لئے فاتح اور باڈی مین عبداللہ تنہا رہ گئے۔ وہ قریب آ چکی تھی۔ مسکرا کے ذرا سا کھنکاری۔

"شام بخیر... توانکو!"

وان فاتح گلاس سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ آواز پہ چہرہ موڑا' اسے دیکھا اور گلاس نیچے کیا۔ پھر سنجیدگی سے سر کو بس خم دیا۔

"آپ کو پینٹنگز کی یہ نیلامی دیکھ کے کبھی خیال آتا ہے فاتح صاحب... کہ قدیم زمانوں میں انسانوں کی بھی اسی طرح نیلامی ہوا کرتی ہوگی؟" وہ مسکراہٹ دبائے معنی خیزی سے بولی۔

فاتح نے نظریں گھما کے گہرے انداز میں دیکھا' پھر مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ کافی سرد تھی۔

"میرا جواب انکار میں ہے' تاشہ!"

"جی؟" اس کی مسکراہٹ سمٹی۔

"نہیں' میں تمہیں اپنا گھر نہیں بیچ رہا۔ نہ میں کبھی دوبارہ تمہیں اس گھر میں خوش آمدید کہوں گا۔ اس روز تم عصرہ کے ساتھ ملا کہ آ گئیں' میں خاموش رہا۔ میری چھٹی Spoil ہوئی' میں نے برداشت کیا' لیکن میں یہ نہیں بھولا کہ تم نے اشعر کے لئے اس گھر کی فائل کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اس لئے میرا جواب انکار میں ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں دوٹوک کہہ رہا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر کے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں اچنبھا لئے' ابرو حیرت سے اکٹھے کیے۔ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''سوری' فاتح صاحب' مگر وہ گھر....''

تبھی عبداللہ کے ہاتھ میں پکڑا فون بجا تو اس نے جھٹ فاتح کو تھما دیا۔

وہ تالیہ کو نظر انداز کر کے فون کان سے لگائے بات کرنے لگا۔

''جی جی....میں نے نمبر چینج کیا ہے۔ میرا فون کہیں کھو گیا ہے' مل نہیں رہا تھا۔ جی مجھے آپ کا پیغام ملا تھا۔'' وہ مسکرا کے کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ستون کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اس کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا۔

پھولوں سے ڈھکے ستون کے اس طرف کھڑے فاتح نے فون بند کر کے عبداللہ کو تھمایا تو اس نے رازداری سے پوچھا۔

''سر....مسز عصرہ نے کہا تھا یہ آج کی اسپیشل گیسٹ ہیں۔ کیا ان کے کچھ اور عزائم ہیں؟'' اس نے نہیں دیکھا تھا کہ تالیہ پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''کون؟ یہ تاشہ؟ ہاں یہ عصرہ کی نئی دوست ہے۔ اشعر کے ساتھ انوالوڈ ہے شاید۔ اور میزبانی عصرہ نبھا سکتی ہے' میں نہیں۔ مجھے اس لڑکی سے شدید Dishonest قسم کی وائبز آتی ہیں۔'' اکتاہٹ سے کندھے جھٹک کے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ گردن موڑ کے شل سی اس کو جاتے دیکھنے لگی۔ اس کا دل بہت آہستہ آہستہ سے دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھتا فاتح گھاس پہ تنہا کھڑے ایڈم کو دیکھ کے رکا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''ایڈم!'' سر سے پیر تک اس کا حلیہ دیکھا۔

ایڈم بھی خوش دلی سے مسکرا کے اپنائیت سے آگے بڑھا۔ ''کیسے ہیں آپ' سر؟'' اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔

''ایم فائن۔ تم ٹھیک ہو؟'' بس رسماً مسکرا کے کہتا وہ آگے بڑھنے لگا' پھر رک کے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس روز میں تمہاری بات نہیں سن سکا تھا شاید۔ تم کیا کہنے آئے تھے؟''

''میں' سر؟ کس روز؟'' ایڈم کو فوری یاد نہیں آیا۔

''جب میں ملاکہ سے جا رہا تھا تو تم نے مجھے روکا تھا۔ تم کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔'' وہ جیسے آگے جانا چاہتا تھا مگر مشکل سے چند لمحوں کے لئے بات کرنے رکا تھا۔

''ایڈم آپ سے بات کرنے چھٹی والے دن ملاکہ تک چلا گیا؟'' عبداللہ نے ایک جلن بھری نظر ایڈم پہ ڈالی۔

''سر' میں....'' ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''آپ نے میری بات سن لی تھی' سر۔''

''اچھا' مجھے لگا شاید وہ بات درمیان میں رہ گئی۔ عجیب تکان بھرا ویک اینڈ تھا یہ۔''

وان فاتح بن رامزل یہ کہہ کے' گلاس تھامے' سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں میں دوسرے کئی مہمان اس کی طرف جانے لگے۔ وہ جہاں جاتا تھا وہاں محفل لگ جاتی تھی۔

صرف دو لوگ تھے جو بالکل شل تھے۔ اپنی اپنی جگہ حیران۔

''ایڈم!'' دفعتاً تالیہ اس کے قریب چلتی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا۔

''یہ وان فاتح کو کیا ہوا ہے' چے تالیہ؟ شاید وہ لوگوں کے سامنے ہمیں پہچان کے کسی کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتے۔''

''ایڈم! یہ دیکھو!'' اس نے کارڈ اس کے سامنے کیا تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

''گھائل غزال نیلامی پہ موجود ہے۔''

''ایں؟ وان فاتح نے اس کو ہٹوایا نہیں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ایڈم!'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''اپنا ای میل دیکھو۔ انہوں نے تمہیں ای میل کی ہو گی۔''

''اوہ ہاں۔ میں نے تو اس روز سے میل نہیں دیکھی۔ نیا فون ہے نا۔ میں بھول گیا۔'' اس نے جلدی سے فون نکالا اور الجھے الجھے انداز میں اسکرین پہ بٹن دبائے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ اردگرد ٹہلتے مہمانوں سے بے نیاز ان دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔

وان فاتح کے نام سے میل سامنے پڑی تھی۔ یہ آج صبح کی تاریخ میں وصول ہوئی تھی۔ ایڈم نے دھڑکتے دل سے اس کو دبایا۔

ایک طویل پیغام کھل گیا۔

بے قرار آنکھوں نے پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر ایڈم.....

جس وقت میں یہ ای میل لکھ رہا ہوں' رات کے پونے بارہ بجے ہیں' اور تاریخ سولہ جولائی ہے۔ تم دونوں ابھی ابھی میرے گھر سے نکلے ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وانگ لی کے گھر سے۔ وہ گھر جہاں ہم نے خود کو کھو کے دوبارہ پایا ہے۔

میں اس ای میل کو اپنے ای میل اکاؤنٹ کی بجائے ایک ویب سائٹ سے بھیج رہا ہوں اور اس کو شیڈیول کر رہا ہوں تا کہ یہ تمہیں تین دن بعد ملے۔ شکر کہ سکندر نے مجھے یہ کام کرنا سکھا رکھا تھا کیونکہ اگر ابھی یہ میل تمہیں ملی اور تم نے دیکھ لی تو تم دونوں واپس آ جاؤ گے اور جو ہونے جا رہا ہے اس کو روکنے کی کوشش کرو گے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اپنے ای میل سے اس لئے نہیں بھیج رہا تا کہ تم اس کا جواب نہ دے سکو اور مجھے کبھی یہ میل دوبارہ اپنے اکاؤنٹ میں واپس نہ ملے۔

میں اتنے دن سے تمہیں نظر انداز اسلئے نہیں کرتا کہ تم سے بات نہیں کرنی تھی' بلکہ اس لئے کہ تم ہی سے تو بات کرنی تھی۔ تمہارا اور میرا تعلق اس سے مختلف ہے جو تالیہ اور میرا تھا۔ میں نے الوداعی لمحات میں تمہیں کوئی نصیحت اس لئے نہیں کی کیونکہ تم تجربے سے سیکھنے

کے عادی ہو۔امید ہے تالیہ تمہارا خیال رکھے گی اور تم اس کا۔

مجھے یہ ای میل لکھنے کی نوبت اس لئے پیش آئی کیونکہ ہمارے سارے مطالبے ماننے کے لئے مراد راجہ نے میرے سامنے ایک شرط رکھی تھی اور میں نے وہ شرط مان لی تھی۔اس لئے کیونکہ میں نے تم لوگوں سے صرف واپس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔اس کے بعد کے ساتھ کا نہیں.....

☆......☆......☆

مراد راجہ اور وان فاتح میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں موم بتی جل رہی تھی اور مراد کرسی سنبھالے' آگے ہو کے اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرا رہا تھا۔فاتح نے ابرو بھینچے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا شرط ہے تمہاری؟''

جواباً مراد نے حقے کا کش بھرا اور منہ سے دھواں چھوڑا....مرغولے سے بن کے اوپر فضا میں اٹھنے لگے۔پھر وہ کھلے دل سے مسکرایا۔

''وہ دروازہ تم نے کھولا تھا نا؟ چابی تم نے جوڑی تھی نا؟''

''ہاں۔''

''نہیں جوڑنی چاہیے تھی۔تم نے یہ کر کے چابی کا چکر خراب کر دیا ہے۔''

''کام کی بات پہ آؤ' راجہ۔لمبی کہانیاں مت سناؤ۔''

راجہ نے حقہ پرے دھکیلا اور گویا ہوا۔

''میری شرط صرف یہ ہے کہ دروازہ اب بھی تم ہی کھولو گے اور اس چکر کو مکمل کر دو گے۔مگر پہلے تمہیں یہ چابی اس بوتل سے نکال کے جوڑنی ہوگی۔اور اس سے بھی پہلے تمہیں یہ مشروب پینا ہوگا۔''

فاتح نے ایک گہری نظر بوتل پہ ڈالی جو بے رنگ مائع سے بھری تھی۔سکہ اور ڈلی پیندے میں پڑے تھے۔''اور اس سے کیا ہوگا؟''مشکوک انداز میں مراد کو دیکھا۔

''جب دروازہ کھولنے کے بعد چابی ٹوٹے گی تو وہ لمحہ امر ہو جائے گا۔اور کفارہ پورا ہو جائے گا۔''

''کس چیز کا کفارہ؟''

''چابی کا چکر خراب کرنے کا کفارہ۔کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟ چلو دیکھو....''

وہ نرمی سے سمجھانے لگا اور فاتح تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں وہ لمحہ یاد ہے جب تم نے چابی جوڑی تھی؟''

''ہاں۔میں اپنی سواری میں بیٹھا تھا اور میرا دوست میرے پاس وہ چابی لے کر آیا تھا اور میں نے دونوں ٹکڑوں کو جوڑ دیا تھا۔پھر؟''

''وہ بھی ایک امر لمحہ تھا۔اس لمحے سے لے کر اس چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا وقت تمہارا کفارہ ہوگا' اور وہ وقت....تمہارے ذہن سے محو ہو جائے گا۔''

فاتح پیچھے کو ہوا۔اور بے اختیار ابرو اٹھایا۔''تمہارا مطلب ہے کہ یہ سارا وقت جو میں نے قدیم ملاکہ میں گزارا ہے....میں اسے بھول جاؤں گا؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ چابی خود جوڑنے کے بعد کا جتنا وقت تم نے گزارہ ہے' وہ ہمارے اصول کے مطابق ایک ناجائز وقت تھا۔اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ جو بھی دوبارہ اس چابی کو جوڑ کے دروازہ کھولے گا' چابی کے ٹوٹنے کے بعد وہ اس ناجائز وقت کو بھلا دے گا۔یہ چابی ایک شخص کے لئے تھی۔یہ تالیہ کے لئے تھی۔تم نے اس کو جوڑ کے غلط کیا۔اور یہی تمہارا کفارہ ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''اس نے ناگواری سے بھنویں بھنچیں۔''کوئی اور راستہ بھی ہوگا وقت میں واپس جانے کے لئے۔''

''فاتح بن رامزل!''وہ ہتھیلیاں میز پہ جمائے مزید آگے ہوا اور سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔''تم میری بیٹی سے شادی کرو گے' میرے محل کے باہر لوگوں کو بٹھا دو گے' مجھے سلطان کے سامنے رسوا کرو گے' تو تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں دوسرے راستے دکھاؤں گا؟ نہیں۔اگر تمہیں واپس جانا ہے تو اس کا ایک یہی راستہ ہے۔ورنہ میں بغاوت کر دوں گا۔سلطان کو مار دوں گا اور پھر مجھے کسی چھپے ہوئے نکاح کا ڈر نہیں ہوگا۔''

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔فاتح کا ذہن ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اور میرے سب بھول جانے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

اب کے مراد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔''تالیہ واپس آجائے گی!''

فاتح کے ماتھے پہ بل گہرے ہوئے۔

''تالیہ....کبھی واپس نہیں جائے گی۔''

''تم میری بیٹی کو نہیں جانتے۔میں اسے جانتا ہوں۔اس نے چار ماہ ایک محل میں حکومت کی ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے' وہ واپس جا کے عام سی زندگی گزار لے گی؟ نہیں فاتح....طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔حکمرانی ایک نشہ ہے جس کی تڑپ روح نکلنے کے ساتھ ہی جاتی ہے' اس سے پہلے نہیں۔اس نے طاقت کے پیالے کو چکھ لیا ہے' وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔''

''اچھا۔اور میں سب بھول جاؤں گا تو وہ مجھ سے مایوس ہو کے تمہارے پاس آجائے گی؟''

''ایسا ہی ہوگا۔کیونکہ تم نے خود کہا تھا' میری بیٹی کی موت ہمارے اسی زمانے میں لکھی ہے۔سمندری سفر پہ۔وہ سمندری سفر ابھی

''آنا' ہے' فاتح.... ہے نا۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس ضبط سے اس کو گھورتا رہا۔

''اور اگر میں یہ نہ مانوں تو؟ اگر میری جگہ تالیہ دروازہ کھولے تو؟''

''تو وہ اس امر لمحے سے لے کر چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا سارا وقت بھول جائے گی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

''یعنی جو بھی دروازہ کھولے گا' وہ سب بھول جائے گا۔ اور اپنی زندگی میں یوں واپس چلا جائے گا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!'' اس کی آواز میں اضطراب چھلکا۔

''ہاں۔ اب یہ تم پہ منحصر ہے کہ تم یہ قربانی خود دیتے ہو یا تالیہ کو آگے کرتے ہو۔''

''اور تم ہمارے جاتے ہی تالیہ کے منتظر ہو گے۔ مگر تمہارا 'انتظار' انتظار ہی رہے گا' مراد۔ جتنے برس انتظار کرو' وہ نہیں آئے گی۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وقت یہاں بھی ٹھہر جائے گا۔ وہ تمہاری دنیا میں جتنے برس گزارے' میری دنیا میں جب وہ آئے گی تو وہ اسی دن' اسی پل واپس آئے گی۔ میں مرسل شاہ سے اس کی شادی منسوخ نہیں کر رہا۔ تم اپنی دنیا میں میری شہزادی بیٹی کو جتنے برس روکنا چاہو' روک لو۔ اور آخر میں وہ ہمارے ملاکہ واپس آجائے گی اور ملکہ بنے گی۔ میں نے کہا نا' تم مراد راجہ کو نہیں ہرا سکتے۔''

''اور اگر اس سب کے باوجود وہ واپس نہ آئی تو؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے' وان فاتح.... تم نے تو صرف یہی فیصلہ کرنا ہے کہ کیا تم اس چابی کو (بوتل کی طرف اشارہ کیا) پانے کے لئے یہ قربانی دے سکتے ہو؟'' مراد مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

فاتح نے ہلکی سی نظریں موڑیں۔ کمرے کے کونے میں آریانہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا' گویا اسے روکا ہو۔

''ڈیڈ... آپ اس کی بات نہ مانیں۔ ایڈم کو یہ مشروب پینے دیں۔ اگر وہ سب بھول بھی جائے تو کیا ہو گا؟ مگر آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے۔ نہ ہی تالیہ کو بھولنا چاہیے۔'' وہ منت کر رہی تھی۔ فاتح نے اس کو نظر انداز کیا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔'' اس نے بوتل اپنے قریب کی۔

''یعنی تم سب بھلا دینے پہ راضی ہو۔'' مراد مسکرایا۔ ''پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

''تم مجھے نہیں جانتے راجہ۔ میں کیا کر رہا ہوں اور کیوں کر رہا ہوں۔ یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔'' اس نے بوتل کا ڈھکن زور سے باہر کو کھینچا' پھر اسے لبوں سے لگا لیا۔ گھونٹ بہ گھونٹ پانی اندر اترتا گیا۔

اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا۔ بے لذت۔ بے سواد۔

مشروب ختم ہوا تو سونے کے دونوں ٹکرے باہر آ گرے۔ اس نے آرام سے ان کو اٹھایا اور جوڑ دیا۔ چابی جڑتے ساتھ ہی چمکنے لگی۔ فاتح نے اس کی زنجیر کو گردن میں پہن لیا اور پھر مراد کو دیکھا۔

''دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے گی؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بھاری ہوتی جائے گی' یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور آخر کار تم اس کو گردن سے نوچ پھینکو گے۔''

''قریباً کتنی دیر بعد؟'' اس نے دہرایا۔ ''کتنا وقت ہوگا میرے پاس؟''

''قریباً ایک پوری رات۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے ہو؟'' مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے راجہ۔ یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ زمانہ پلٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا نا' تم مجھے نہیں جانتے۔'' اور کرسی دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات پتھر جیسے ہو رہے تھے۔

''اور مجھے معلوم ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں۔''

☆......☆......☆

''ڈیئر ایڈم.....

میں نے راجہ کی شرط مان لی تھی۔ واپس آنے کے بعد جب چابی ٹوٹے گی تو میرے ذہن سے یہ گزرے چار ماہ محو ہو جائیں گے۔ میں نے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی کیونکہ یہی ہم تینوں کے لئے بہتر ہے۔

اگر ایڈم تم یہ مشروب پیتے تو تم سب بھول جاتے۔ قدیم ملاکہ کے سارے اسباق بھول کے تم وہی عام سی زندگی گزارنے لگتے جو پہلے گزار رہے تھے مگر اب تم وہ زندگی نہیں گزارو گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اپنے اصل کو بھول جاؤ۔

اور اگر تالیہ یہ پیتی تو وہ بھی اسی زندگی کی طرف لوٹ جاتی جس کو اس نے بہت مشکل سے چھوڑ کے اپنے اصل کو دریافت کیا تھا۔ میں اس سے اس کا اصل نہیں چھین سکتا تھا۔

رہا میں تو.... مجھے یہ فیصلہ مشکل نہیں لگا۔ میری زندگی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہے۔ یہ الیکشن ائیر ہے۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں جن کو میری مکمل توجہ چاہیے۔ اور قدیم ملاکہ کو بھول جانے سے میری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ مجھے بھول جانا چاہیے کہ میں نے اپنی بیوی سے بے وفائی کی ہے۔ کاغذوں پہ ہی سہی۔

یہ ای میل لکھنے سے قبل میں نے سوچا تھا کہ اس میں تالیہ کے لئے آزادی کا پروانہ لکھ بھیجوں گا' لیکن جیسے جیسے یہ چابی بھاری ہو رہی ہے' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ رشتے چاہے صرف کاغذی ہی ہوں' اتنی آسانی سے نہیں توڑے جا سکتے۔ تالیہ سے کہنا' میں اب اسے نہیں چھوڑنا چاہتا۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ایک دن وہ مجھے ہر وہ چیز یاد کروا دے جو میں بھول بیٹھا ہوں۔ خود غرضی کہہ لو یا کچھ

بھی' میں تالیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اسے خود سے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تب وہ واپس چلی جائے گی۔ میں چاہتا ہوں' وہ میرے ساتھ رہے۔ کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔

چار ماہ قبل... اس چابی کو جوڑنے سے پہلے میں اسے ایک بددیانت اور سطحی سوشلائیٹ ''تاشہ'' کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں' تب بھی میں چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں' اسے دھتکاروں' میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔

اور میں چاہوں گا ایڈم' کہ تم اپنی زندگی کو دوبارہ سے تعمیر کرنا شروع کرو' لیکن اس دفعہ وہ کوئی عام زندگی نہیں ہونی چاہیے۔ میں تمہاری توقعات کے مطابق راجہ کی بدعنوانی کو بے نقاب نہیں کر سکا کیونکہ میں لیڈر تھا' اور لیڈرز کو مشکل فیصلے کرنے پڑتے ہیں' لیکن تم لیڈر نہیں ہو۔ تم آزاد ہو۔ کسی سمجھوتے' کسی مشکل فیصلے کی بجائے تم بہادر فیصلے لے سکتے ہو۔ میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ بہت جلد تم خود سمجھ جاؤ گے کہ اب تمہیں آگے کیا کرنا ہے۔

بارہ بج رہے ہیں اور میری چابی بھاری ہو رہی ہے۔ میں صبح تک ہی اس کا بوجھ سہار پاؤں گا اور تب تک مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔ اپنا اور تالیہ کا خیال رکھنا۔

اور ہاں... میں جانتا ہوں تم دونوں نے سن باؤ کے صحن میں کیا دبایا ہے۔ تالیہ سے کہنا وہ یہ گھر مجھ سے خرید لے اور اپنا خزانہ نکال لے۔ یہ خزانہ تم دونوں کی محنت کی کمائی اور تمہاری صدیوں کی مسافت کی اجرت ہے۔

اور میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اس سفر کو کبھی نہ بھلاؤ۔

فقط۔

وہ غلام جس کو شہزادی تاشہ نے آزاد کیا تھا۔

☆......☆......☆

موسیقی ہنوز بج رہی تھی۔ اور مہمانوں کی خوش گپیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہر طرف گہما گہمی لگی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے ایڈم کے موبائل سے وہ ای میل پڑھ رہے تھے۔

میل ختم ہوئی تو ایڈم نے اسکرین بجھا دی اور مردہ ہاتھوں سے فون جیب میں ڈالا۔ پھر تالیہ کو دیکھا۔

اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی اور وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

''ایڈم!'' اس نے بے یقین سی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''یہ سب کیا تھا؟''

ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ گلا رندھ سا گیا۔ ''چے تالیہ.... انہوں نے ہمیں چننے کی بجائے اپنی پرانی زندگی کو چن لیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا' یہ حکمران لوگ سمجھوتے کرتے وقت ہم ادنیٰ کارکنوں کو بھلا دیتے ہیں۔''

''ایڈم!'' اس کی خالی خالی آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ ''وہ مجھے بھول چکے ہیں۔ وہ اداکاری نہیں کر رہے' وہ واقعی مجھے بھلا چکے ہیں۔ میری ساری ریاضتیں' ساری کوششیں.... میری ساری اچھائی وہ سب فراموش کر چکے ہیں۔ ان کو اتنا بھی یاد نہیں کہ ہماری شادی ہوئی تھی!''

وہ سکتے میں تھی۔ زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی تھی اور سارا وجود جیسے کھائی میں گرتا جا رہا تھا۔

''وہ تو میری طرف دیکھنے کے روادار نہیں' میں انہیں کیسے وہ سب یاد کرواؤں گی جو قدیم ملاکہ میں ہوا تھا؟''

وہ بنا پلک جھپکے اس مشہور سیاستدان کو دیکھ رہی تھی جو کافی فاصلے پہ کھڑا تھا۔ اس کے گرد لوگوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ وہ مسکرا کے بات کر رہا تھا اور لوگ موبائلز اور کیمروں سے مسلسل اس کی تصاویر بنا رہے تھے۔ باڈی مین' گارڈز' سیکرٹری... دائرے کی صورت اس کو اطراف سے گھیرے ہوئے تھے اور جیسے جیسے رش بڑھ رہا تھا' وہ غیر متعلقہ لوگوں کو اس کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔

وہ ناقابلِ رسائی تھا۔

وہ ان سے بہت اوپر تھا۔

وہ ان کو ان پہچانتا تک نہیں تھا۔

اسے بس ان کے نام یاد تھے۔

ایک اس کا باڈی مین تھا۔ عام سالڑکا جس نے دس گیارہ دن اس کے پاس کام کیا تھا۔

اور دوسری اس کی بیوی کی نئی دوست' بددیانت سطحی سی لڑکی تھی جو اس کے سالے میں انوالوڈ تھی۔

اور جس نے اس کی فائل چرائی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں واپس چلا گیا تھا۔

اور وہ دونوں.... وہ اب اس کے کچھ بھی نہ تھے۔

اور اگر وہ اس کو کچھ بتاتے تو وہ کبھی یقین نہ کرتا۔

کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

کیا ساری عمر جھوٹ بولنے کا یہ نقصان ہوتا ہے؟

کہ جب آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی اس پہ یقین ہی نہ کرے؟



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

بارھواں باب:

سلطان ساز

اس نے خواب میں دیکھا کہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

سامنے چند آفسز بنے ہیں...

جن کی دیواریں شیشے کی ہیں...

ایک آفس کے اندر کا منظر وہ صاف دیکھ سکتی ہے...

اس میں ایک سیاہ کوٹ والا آدمی کھڑا ہے...

میز سے ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے'

وہ تالیہ کی طرف دیکھ رہا ہے...

اور تالیہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

ہاتھ میں ایک بڑا سا زرد پلے کارڈ ہے'

جسے وہ شیشے کے دروازے پہ چسپاں کر رہی ہے!

آفس کاریڈور میں نیم اندھیرا ہے...

جیسے اکثر لوگ جا چکے ہوں...

کارڈ چسپاں کر کے وہ مڑتی ہے..

اور ایک چبھتی ہوئی نظر اس آدمی پہ ڈالتی ہے...

☆......☆......☆

تاریخ تھی سولہ جولائی۔ شہر تھا جدید ملاکہ۔ سن تھا دو ہزار سولہ اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں سن باؤ کی

حویلی میں کھڑے تھے۔

زمین اپنے خفیہ راستوں کو چھپائے برابر ہو چکی تھی۔ ایڈم ٹی وی چلا کے تاریخ معلوم کر رہا تھا اور تالیہ بے یقینی سے گول گول گھوم کے اطراف کو دیکھ رہی تھی۔

صرف وان فاتح دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے بے تاثر سا کھڑا تھا۔ صرف اسے معلوم تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔ گردن میں پڑی زنجیر ہر گزرتے لمحے بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

(''تم اس کو اپنی جیب میں نہیں ڈالو گے۔ اس کو ہاتھ یا گردن میں پہنے رکھنا۔'' راجہ مراد کی آواز ذہن میں گونج رہی تھی۔''اس کو اپنی جِلد کے ساتھ لگائے رکھنا ورنہ یہ راکھ بن جائے گی۔ اگلے دن کا سورج طلوع ہوتے ہی یہ ٹوٹ جائے گی۔ اور تمہارے ذہن سے سب کچھ محو ہو جائے گا جو دو امر لمحوں کے درمیان میں ہوا تھا۔''

''اور میری یادداشت واپس کیسے آئے گی؟'' خالی بوتل دونوں کے درمیان میز پہ رکھی تھی۔ اس کو دیکھ کے فاتح نے پوچھا تھا۔

''نہیں آئے گی۔ کبھی نہیں آئے گی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے' غلام فاتح!'' وہ ایک دم غصے سے بولا تھا۔)

پولیس کے سائرن سنائی دینے لگے تو ایڈم دروازے پہ جانے لگا۔ فاتح نے اسے روک دیا۔ ان دونوں کو صحن میں چھوڑ کے اس نے راہداری عبور کی اور باہر کا سرخ دروازہ کھولا۔

باہر چھوٹی صاف ستھری سڑک تھی جس کے دونوں اطراف میں ایسے ہی تاریخی گھر اور ریستوران بنے تھے۔ دکانوں کے باہر چھپر تلے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

سن باؤ کے گھر کے سامنے پولیس کار کھڑی تھی اور دو آفیسرز گھر کے دروازے پہ منتظر کھڑے تھے۔ فاتح نے دروازہ بند کیا اور باہر نکل آیا۔

''السلام علیکم' فاتح صاحب!'' ایک افسر نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔''آپ کے گارڈ کی کال آئی تھی کہ چور گھس آئے ہیں۔ خیریت ہے؟ ہم اندر آ جائیں۔'' ساتھ ہی ایک نظر اس کے کرتے پاجامے پہ ڈالی۔

''نہیں' گھر میں نہیں۔ باہر سڑک پہ لوٹا ہے انہوں نے۔'' وہ گہری سانس لے کر بتانے لگا۔''میں ابھی تھانے آ کے پورا واقعہ بتاتا ہوں' فی الحال گھر میں کچھ میڈیا والے موجود ہیں۔ ان کے جاتے ہی میں آتا ہوں۔''

''مگر سر.....!''

''کیا تم مجھے نہیں جانتے' آفیسر؟ تمہارا ڈپٹی کمشنر میرا کلاس فیلو ہے۔ اس سے کہو کہ میرا انتظار کرے۔ میں خود آ کے رپورٹ لکھواؤں گا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔''مجھے لباس بدل کے منہ ہاتھ دھونے دو۔'' ایک افسر بے چین ہوا تو دوسرے نے فوراً اشارہ کیا۔

''جی سر' ڈی سی پی صاحب نے ذکر کیا تھا۔ٹھیک ہے ہم آپ کا انتظار کریں گے۔''

فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا (اب جاؤ) اور واپس مڑ گیا۔

تالیہ اور ایڈم کو وہاں سے بھیجنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔ جیسے ہی وہ گھر سے نکلے' وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ چار ماہ پہلے ایڈم کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہی عادتاً اس نے کار کی چابی دروازے کے ساتھ بنی کھونٹی پہ لٹکائی تھی۔ وہ وہیں تھی۔ اس کا لوہا اب بھی ٹھنڈا تھا۔

وہ باہر سڑک پہ آیا تو تالیہ اور ایڈم جا چکے تھے۔ اس نے کار سے اپنا بیگ نکالا اور واپس برآمدے میں آ کے اسے کھولا۔ گردن میں جھولتی چابی ہر گزرتے پل بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔

''پلان کیا ہے' ڈیڈ؟'' کونے میں کھڑی آریانہ کی آواز نے اسے چونکایا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے پاس صبح تک کا وقت ہے' اور مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔'' لیپ ٹاپ نکالتے ہوئے وہ برآمدے میں بچھی مسہری تک آیا' اور او روہاں بیٹھا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ نیلی روشنی میں اس کا چہرہ دمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

''کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ ابھی تک فاصلے پہ کھڑی تھی۔ فاتح تیز تیز کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''ایڈم کو ای میل لکھ رہا ہوں۔ جو نہیں بتایا وہ بتا رہا ہوں۔''

''اور تالیہ؟ اس کو چھوڑ دیں گے آپ؟''

ٹائپ کرتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ گلہ آمیز نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''چھوڑنا اتنا آسان ہوتا ہے کیا؟''

''تو پھر اسے کہا کیوں تھا کہ چھوڑ دیں گے؟''

''چھوڑ تو دوں گا۔ یہی بتانے کے لئے میل لکھ رہا ہوں۔'' وہ اب سرعت سے ٹائپ کر رہا تھا۔ ''یہ الگ بات ہے کہ ایسا لگ رہا ہے جیسے....''

''جیسے؟''

''جیسے مراد راجہ نے چند گھنٹے دیے ہوں کہ وان فاتح .... یہ اتنا وقت ہے تمہارے پاس' اس کے بعد تم مر جاؤ گے۔ سو جو کرنا ہے اس دوران کر لو۔ اب تم بتاؤ آریانہ.... کیا مرنے سے پہلے کوئی کسی کو چھوڑنے کی خواہش کر سکتا ہے؟''

سن باؤ کے قدیم برآمدے میں خاموشی چھا گئی۔ کنویں کے اندر جیسے خاموشی۔ آریانہ دکھ سے اسے دیکھے گئی۔

''ڈیڈ.... اس کو چھوڑ دیں۔ جب سب بھولنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کو خود سے کیوں باندھ کے رکھتے ہیں؟''

وہ ٹائپ کرتے ہوئے رکا تو وہ جلدی سے بولی۔

''واپس آ کے میل مکمل کرتا ہوں۔ ابھی ہمت نہیں ہو رہی۔'' اس نے آدھی میل چھوڑ کے اسکرین فولڈ کر دی۔ پھر وہ اٹھا اور اوپر کی طرف چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تو زینوں کے اختتام پہ بیٹھی آریانہ نے گردن اس کی جانب موڑی۔

''ان چار ماہ کی ساری نشانیاں مٹا آئے ہیں آپ؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

اس نے سیاہ شرٹ اور پینٹ پہن رکھی تھی۔ شیو بن چکی تھی۔ بالوں کو قدرے تراش کے پرانی حالت پہ لے آیا تھا۔ قلموں سے بال سفید تھے' باقی دائیں طرف مانگ نکال کے گیلے کر کے جما رکھے تھے۔ گردن میں زنجیر اب بھی نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں شاپر تھا جس میں ملاکہ والے کپڑے اور جوتے تھے۔ اپنے تمام زخموں پہ اس نے نئے زمانے کے بینڈ ایڈ لگا دیے تھے۔

''نشانیاں مٹانے کے سوا چارا ہے کیا؟ کل جو وان فاتح نیند سے جاگے گا' اس کو کسی بھی چیز پہ شک نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ شدید ذہنی پریشانیوں میں گھر جائے گا۔ اس کے لیے ہر چیز نارمل ہونی چاہیے۔'' وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ آخری زینہ عبور کر کے آگے بڑھ گیا تو آریانہ نے پکارا۔ ''اور جسم پہ لگے اَن گنت زخموں کا کیا؟''

''انہی کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔''

کار کی چابی اٹھائے وہ تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کنارے لگے کوڑے دان میں سیاہ شاپر میں مقید چیزیں پھینکیں اور ڈھکن بند کیا۔ گویا زندگی کا ایک باب بند کیا۔

چند لمحوں کے لیے اندر تک سب خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ پولیس اسٹیشن کے ایک کشادہ کمرے میں موجود تھا۔ آفس چیئر پہ ڈپٹی کمشنر براجمان تھا اور اس کے سامنے بیٹھا فاتح کندھے اچکا کے کہہ رہا تھا۔ سامنے ہی اسٹینڈ پہ کیمرہ نصب تھا جو اس کا بیان ریکارڈ کر رہا تھا۔

''میں ملاکہ تین دن کے لیے آیا تھا مگر تین گھنٹے بھی نہ رک سکا۔ میں ملاکہ سے واپس جا رہا تھا کہ میرا باڈی گارڈ میرے پاس آیا۔ یہ ریکارڈ ہو رہا ہے نا؟'' اس نے اپنے دوست کو اشارہ کیا تو اس نے سر کو خم دیا۔

''گڈ۔ مجھے یہ ویڈیو ای میل کر دینا۔ میرا دماغ اس وقت سب چیزوں کو مکس اپ کر رہا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ صبح جب میں یہ ویڈیو دیکھوں تو مجھے یاد رہے کہ ان تین گھنٹوں میں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔'' اس نے تین انگلیوں سے کنپٹی مسلی۔

''آپ کہہ رہے تھے...؟''

''ہاں... میرا باڈی گارڈ آیا تھا میرے پاس۔ وہ میرے ساتھ گاڑی میں ہی تھا جب تین آدمی آئے اور انہوں نے ہم پہ پستول

تان لئے۔ پھر ہمیں باہر نکالا۔ وہ مجھ سے والٹ' پیسے اور فون مانگ رہے تھے۔ وہ تین چیزیں جو یہ سارے چور مانگتے ہیں۔ مگر....'' کندھے اچکا کے کیمرے میں دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''اتنی آسانی سے وان فاتح ہار کب مانتا ہے؟ میں بحث اور سوال و جواب کرنے لگا۔ ان کو میرے سوال برے لگے تو انہوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا۔''

''کیسے؟'' آفیسر نے تشویش اسے دیکھا۔

''ہاتھا پائی ہوئی۔ اور وہ موبائل' بٹوہ سب چھین کے لے گئے۔ مجھے بے ہوش کرنے کے لئے کوئی سرنج بھی لگائی۔'' اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا جو شرٹ کے آستین سے ڈھکا تھا۔ ''اس کے بعد سے میرا دماغ غنودگی کی سی کیفیت میں ہے۔ میرا باڈی مین ..(تصحیح کی) باڈی گارڈ مجھے گھر لایا۔ ہم وہاں تماشہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو خبر ہو کہ مجھے یوں لوٹا گیا ہے۔ اب بھی میں رپورٹ نہیں کروانا چاہتا۔ اس سب کو صیغہ راز میں رہنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے سر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں اس بات کو کور کر دوں گا۔'' پھر آفیسر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''میں ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ وہ مسلح تھے اور انہوں نے آپ پہ تشدد بھی کیا لیکن...انہوں نے آپ سے گاڑی نہیں چھینی؟''

وان فاتح کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی مگر چہرہ پرسکون رہا.....

''میں نے ان سے یہ سوال نہیں پوچھا۔ ہر سوال کا جواب مل جائے' یہ ضروری نہیں ہوتا' قمر الزمان!''

''خیر....ہم اپنے طور سے تفتیش کریں گے' جو بھی سامنے آیا آپ کو مطلع کیا جائے گا۔''

وان فاتح اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر کیمرے کو دیکھا۔ ''مجھے یہ ویڈیو بھیج دینا۔ لازمی۔ تین منٹ سے زیادہ مت لینا۔ مجھے بار بار تم سے سوال کرنا اچھا نہیں لگے گا۔'' زور دیا۔

''جی سر۔ اور آپ کا میڈیکل چیک اپ....''

''اس کی ضرورت نہیں' میں ٹھیک ہوں۔ بس یوں لگتا ہے کہ سارا واقعہ ذہن سے پھسل رہا ہو۔'' اس نے مصنوعی نقاہت سے کہتے ہوئے کنپٹی کو چھوا۔ افسر نے کیمرا آف کیا تو فاتح نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ وہ ایک دم بہتر نظر آنے لگا۔ بس عجلت میں مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خدا حافظ کہہ کے باہر نکل گیا۔ کمشنر اس کو الجھی سوچتی نگاہوں سے جاتے دیکھنے لگا۔

وان فاتح کو اتنی جلدی کیوں تھی؟ جیسے وقت کم ہو اور اسے بہت کچھ کرنا ہو۔ جیسے اسے کسی جگہ پہنچنا ہو۔ اتنی رات میں؟

صبح ہونے میں ابھی گھنٹہ بھر باقی تھا جب سن باؤ کے گھر کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔ آہستہ سے دروازہ بند کر کے وہ مڑا تو چہرے پہ شدید تھکن کے آثار تھے۔

رات کے اس پہر راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا آگے آیا۔ برآمدے کی مدھم بتی جل رہی تھی اور لکھائی کی میز

پہ لیپ ٹاپ فولڈ شدہ دکھائی دے رہا تھا۔ چارجنگ لگی تھی۔ وہ پژمردہ سا کرسی تک آیا اور اسکرین اوپر اٹھائی۔ آدھی لکھی ای میل سامنے جگمگا رہی تھی۔

کیا اب وہ ''چھوڑ دینے'' کی باتیں لکھ سکے گا؟ بالخصوص ان گزشتہ چند گھنٹوں کی 'دوڑ دھوپ' کے بعد علم میں آنے والی 'باتوں' کے بعد....کیا اب بھی وہ اس کو چھوڑ سکے گا؟

وہ کرسی پہ گر سا گیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ اس نے بھول جانے کا فیصلہ تب کیا تھا جب راجہ مراد نے اس کے سامنے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ تب نہیں لگا تھا کہ تالیہ کو چھوڑنا اتنا کٹھن ہوگا۔ اور اب بھی وہ چھوڑ دیتا اگر یہ چند گھنٹے درمیان میں نہ آئے ہوتے۔ مگر اب نہیں۔

اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور لیپ ٹاپ قریب کھسکایا۔ آنکھیں سپاٹ ہوگئیں اور انگلیاں کی بورڈ پہ حرکت کرنے لگیں۔

''اس کو چھوڑ دیں' ڈیڈ۔ اس کو آزاد کر دیں۔ اپنا نہ سوچیں۔ اس کا سوچیں۔''

آریانہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور التجا کرنے لگی۔ وہ کی بورڈ سے نظریں ہٹائے بغیر ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے اسے بھول جانے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کیونکہ تب مجھے اپنی یہ جدید دنیا واپس چاہیے تھی۔ اور ان دونوں کو بھی۔ لیکن اب اسے ساتھ رکھنے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ مجھے اپنی ''امید'' بھی واپس چاہیے۔ ملکہ درست کہتی تھی' میں واقعی خودغرض ہوں۔'' آواز میں آنچ سی تھی۔

ای میل مکمل کر کے اس نے اسے شیڈیول کیا۔ رات پونے بارہ شروع کی گئی میل صبح چار بجے کے قریب مکمل ہوئی تھی۔ اختتام آغاز سے مختلف تھا۔ میل بھیج کے وہ رکا اور ایک دوسری میل کی۔

''یہ ایڈم کو بیس جولائی کی صبح ملے گی۔ اور تب ہی ملنی چاہیے۔'' ایسے دہرایا جیسے بالآخر اس نے اپنے مقصد کو جان لیا ہو۔ آریانہ خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی ذاتی ای میل کھولی تو سامنے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ای میل جگمگا رہی تھی۔ اس نے اس کو ان چھوا رہنے دیا اور اسکرین فولڈ کر دی۔

پھر گلے کی زنجیر اٹھا کے آریانہ کو دکھائی۔ ''اب اس سے نجات حاصل کرنی ہے۔ اس کے ٹوٹتے ہی مجھے نیند آ جائے گی اور صبح میرے ذہن کی سلیٹ خالی ہو چکی ہوگی۔ اور میں خود بھی بھول چکا ہوں گا کہ وہ چابی....کہاں گئی!''

یہ کہہ کے وہ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ گردن میں پڑی زنجیر کو ابھی تک ہاتھ میں مروڑ رکھا تھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔

ایک نئی زندگی کی طرف۔

☆......☆......☆

سترہ جولائی کی صبح ملاکہ کے باسیوں کو جگانے کے لئے روشنی نے ہر کھڑکی پہ دستک دی تو سن باؤ کے گھر کا وہ کمرہ بھی منور ہونے لگا۔ بیڈ پہ آڑے ترچھے لیٹے وان فاتح کی آنکھ تیز روشنی سے کھلی تو وہ جیسے چونکا۔ پھر اٹھنا چاہا تو جسم میں شدید ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ واپس لیٹ گیا اور آنکھیں بار بار جھپکیں۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ وہ کہاں تھا' کیوں تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر دھیرے سے وہ اٹھا اور اطراف میں دیکھا۔

وہ اپنے ملاکہ والے گھر کے کمرے میں تھا۔ نیند اتنی گہری آئی تھی کہ یوں لگتا تھا عرصے بعد جاگا ہو۔

سوچوں کو مجتمع ہونے میں چند لمحے لگے تھے۔ وہ اٹھ کے بیٹھا اور تعجب سے کمرے کو دیکھا۔

آہستہ آہستہ یادداشت واپس آنے لگی۔

وہ تورات کے ایل واپس جا رہا تھا۔ پھر رک کیوں گیا؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا؟

سکندر جولیانہ اور عصرہ شام سے پہلے چلے گئے تھے۔ پھر وہ سمندر پہ گیا تھا۔ پھر وہ بیگ سمیٹ کے جا رہا تھا۔ پھر؟ وہ کیوں رک گیا؟

سیل فون کی تلاش میں ہاتھ مارا تو سائیڈ ٹیبل خالی تھا۔ وہ اچنبھے سے اٹھا۔ جسم بے حد درد کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں مسلنے کو ہاتھ اوپر لایا تو چونکا۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ فاتح کی آنکھوں میں بے یقینی امڈ آئی۔ ہاتھ الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ پھر بازو اٹھا کے اوپر نیچے گھمایا۔ وہاں بھی چند بنڈیج لگے تھے۔

وہ قدم قدم چلتا دیوار پہ آویزاں آئینے تک آیا اور پھر بالکل منجمد ہو گیا۔

شیشے میں دکھائی دیتی اس کی شکل تو وہی تھی مگر....کچھ مختلف تھا۔ اس نے آنکھیں چندھیا کے بے یقینی سے خود کو دیکھا۔ پھر مزید قریب آیا۔ آنکھ اور کنپٹی کے قریب زخم تھا۔ گردن پہ خراشیں۔ اس نے شرٹ گریبان سے نیچے کی' بٹن کھولے اور شرٹ اتاری۔ پھر گھوم کے دیکھا۔ کمر اور کندھوں پہ زخموں کے نشان تھے۔ سینے پہ بھی ضربیں لگی تھیں۔

اس نے پیشانی چھوئی اور آنکھیں موندیں۔ آخری چیز کیا ہوئی تھی؟

ہاں وہ ایڈم کے ساتھ کار میں بیٹھا تھا۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔

اور ایڈم کچھ کہہ رہا تھا۔ اسے کچھ دے رہا تھا۔ سنہری چیز۔ پھر کیا ہوا تھا۔

مگر ذہن بالکل صاف تھا۔ تختہ سیاہ کی طرح صاف۔ بلیک ہول کی طرح خالی۔

پھر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ زینے پھلانگے اور نیچے آیا۔ برآمدے میں آ کے وہ ٹھٹکا۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھا تھا۔ اس نے تو کل سامان سمیٹ کے کار میں ڈالا تھا اور وہ کے ایل واپس جا رہا تھا پھر اب...؟؟

وہ قریب آیا اور اسکرین روشن کی۔ سامنے آفیسر کی ای میل جگمگا رہی تھی۔ وہیں میز کنارے جھکے فاتح نے بھنچی بھنوؤں کے ساتھ ای میل کھولی۔

''آپ کی درخواست کے مطابق آپ کے بیان کی ویڈیو بھیج رہا ہوں۔''

ویڈیو چلائی تو جو منظر سامنے آیا اس نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ تعجب اور بے یقینی' سے وہ خود کو اسکرین پہ بولتے دیکھ رہا تھا۔ تھکا ماندہ' زخمی سا فاتح اسی لباس میں بیٹھا لوٹے جانے کا واقعہ بتا رہا تھا....پھر اس نے کہا کہ لٹیروں نے اسے کوئی سرنج لگائی تھی جس سے اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا....ایسے جیسے وہ بار بار بھول رہا ہو۔

''تو یہ ہوا تھا رات کو؟'' وہ بے یقین تھا۔ ''مگر مجھے کچھ یاد نہیں۔ کیا میں بوڑھا ہو رہا ہوں؟ یا شاید ....کوئی غنودگی کی دوا انہوں نے مجھے دی تھی؟' یا اللہ!''

اس نے کراہ کے سر جھٹکا۔ یہ پستول دکھا کے لوٹ لینے والا واقعہ اسے کیوں نہیں یاد تھا؟ عجیب بات تھی....ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ موبائل نکال کے آفیسر کو کال کرے مگر....موبائل کہاں گیا....

اچھا ہاں' ویڈیو کے مطابق وہ چور لے گئے تھے۔ عجیب بات تھی۔ بہت عجیب بات تھی۔

پھر اس نے برآمدے کی دیوار پہ آویزاں گھڑی دیکھی۔ آج پارلیمان کا اجلاس تھا۔ اور وہ ناغہ کر چکا تھا۔ اُف۔ ساری باتیں ذہن سے نکلنے لگیں۔ شدید غصہ اور فرسٹریشن چھانے لگی۔ اسے جلد از جلد واپس پہنچنا تھا۔

دوپہر تک وہ واپس گھر پہنچا تو عصرہ اور بچے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا تو سکندر اسے دیکھتے ہی بھاگتا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ کسی زخم پہ سکندر کا ہاتھ لگ گیا اور اسے شدید درد ہوا مگر وہ ضبط کر گیا اور جھک کے اسے پیار کیا۔

''ڈیڈ....مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ آپ واپس نہیں آئیں گے۔ کھو جائیں گے۔'' وہ اس سے لپٹے لپٹے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے مسکرا کے اس کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ ''بڑے بھی کبھی کھوتے ہیں کیا؟''

''آریانہ بھی تو کھو گئی تھی۔ وہ تو ہم سے بڑی تھی۔''

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوہ غائب تھا۔ وہ پاپ کارن۔ وہ کھو چکے تھے۔

اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ وہ چور یقیناً بٹوہ بھی لے گئے تھے۔ اف۔ اف۔

سکندر الگ ہوا تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ عصرہ تعجب سے اسے دیکھتی قریب آ رہی تھی۔ ''آنکھ پہ کیا ہوا؟ اور ہاتھ پہ؟''

''رات باتھ روم کے لئے اٹھا تو ٹھوکر لگ گئی۔ بے فکر رہو' کچھ نہیں ہوا۔ چند چوٹوں کے ساتھ بھی میں الیکشن لڑ سکتا ہوں۔''

مسکرا کے بات کو کور کرتا وہ اندر کی طرف بڑھا۔ جھوٹ بولنا اس کی فطرت نہیں تھی لیکن لوٹے جانے کا بتانا باعث توہین تھا۔ عصرہ

نے الجھ کے اسے جاتے دیکھا' پھر کندھے اچکا دیے۔ وہ ایک ہی دن میں اتنا کمزور لگ رہا تھا۔ رنگت کملائی ہوئی تھی۔ شاید زیادہ دیر ساحل پہ بیٹھ گیا ہو' اس لئے رنگ ٹین ہو گیا ہو۔

''یہ تمہاری گردن پہ کیسا نشان ہے۔'' کمرے کے دروازے پہ اس کے قدم رک گئے۔ گردن کی پشت کو ہاتھ سے چھوا۔ کچھ ابھرا کھدا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

''کہانا' گر گیا تھا۔''

''یہ گرنے کا نشان تو نہیں لگتا۔'' عصرہ قریب آنے لگی تو وہ بے زاری سے ''مجھے آرام کرنے دو'' کہہ کے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ عصرہ کے منہ پہ بند کر دیا تو اس کے ابرو تن گئے۔ ہونہہ میں سر جھٹکا اور مڑ گئی۔

اندر آتے ہی اس نے بتی جلائی۔ پھر سنگھار میز تک آیا۔ دراز سے پاکٹ مرر نکالا اور آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ننھا آئینہ گردن کی پشت پہ لے گیا اور بڑے آئینے میں عکس دیکھا۔

وہاں گول سا جلنے کا نشان تھا۔ اور بھورا پڑ چکا تھا۔ یہ چوٹ اسے کب لگی؟ اتنا صاف گول نشان؟

اس نے آئینہ پرے پھینکا اور نڈھال سا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

شام کو وہ کے ایل میں واقع ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ ماتھے پہ بل تھے اور چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ سخت بے زار۔

سامنے بیٹھا ادھیڑ عمر ڈاکٹر دونوں ہاتھ اٹھائے اس کو سمجھا رہا تھا۔

''میں نے آپ کے سارے زخم دیکھے ہیں' اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے واضح بتائیں کہ یہ آپ کو کب آئے؟''

''میں بتا رہا ہوں اتنی دیر سے کہ کل رات تین لوگوں نے چوری کی کوشش کی تو میں نے مزاحمت کی۔ اس پہ انہوں نے مجھے مارا۔'' اس نے پولیس کو دیا بیان دہرا دیا۔

''اسٹرینج۔'' ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔ ''ڈریسنگ ہو گئی ہے' دوا بھی دے دی ہے میں نے آپ کو۔ مرہم کا بھی سمجھا دیا ہے' مگر....'' اس نے توقف کیا۔ ''یہ زخم کل کے نہیں ہیں۔''

''تو پھر کب کے ہیں؟''

''کم از کم بھی چار سے پانچ دن پرانے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کسی نے آپ کو لوہے کی زنجیروں سے مارا ہو۔ آپ کے ہاتھ باندھے گئے ہوں۔ کمر پہ چمڑے کے کوڑے یا ہنٹر سے مارے جانے کے نشان ہیں لیکن....'' ڈاکٹر نے پھر توقف کیا۔ ''مجھے آپ کی کمر پہ پرانے نشان بھی ملے ہیں۔ کم از کم تین سے چھ ماہ پرانے نشان۔ وہ بھی مار پیٹ کے ہیں۔ اور یہ گردن کا زخم' اس کو بھی کافی عرصہ بیت چکا ہے۔

یہ تو صاف گرم چیز سے داغے جانے کا نشان ہے۔''

وہ جواب میں ذرا جھنجلایا۔''میں نہیں جانتا کہ آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔مگر یہ کل کے ہی ہیں۔''

''مگر اتنی جلدی کھرنڈ کیسے بن سکتے ہیں' فاتح صاحب؟'' پھر فاتح کا ناخوش چہرہ دیکھ کے بات بدل دی۔''خیر آپ فکر نہ کریں' دوا لیتے رہیں' مرہم لگاتے رہیں' یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

اسے لگا شاید فاتح چھپا رہا ہے سو مزید زور نہیں دیا۔وان فاتح ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد پہلے سے زیادہ الجھ گیا تھا۔

کلینک سے نکل کے وہ پارکنگ تک آیا تو رک گیا۔ایک نظر سامنے سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو دیکھا۔پھر رک کے کچھ محسوس کرنا چاہا۔

کیا تھا جو طبیعت پہ ناگوار گزرتا تھا؟ یہ زن سے بھاگتی دوڑتی گاڑیاں؟ یہ شور؟ یہ اس لباس میں ملبوس آگے پیچھے جاتے مصروف سے لوگ؟ سب ویسا ہی تھا جیسے ہمیشہ لگا کرتا تھا۔پھر سب اتنا اجنبی اجنبی کیوں لگ رہا تھا؟

سوال بہت سے تھے' مگر جواب کوئی نہیں تھا۔

عصرہ کی نیلامی کے پہلے روز تک وہ کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔بڑھتی عمر' دماغ پہ چوٹ' یا ڈرگ انجیکٹ کرنے کے باعث یقیناً وہ اس رات کے واقعات بھول چکا تھا۔ایسا ہوتا ہے۔ٹراما کے باعث انجری سے ذرا دیر پہلے کے واقعات بھول جایا کرتے ہیں۔اس نے سوچوں کو اس واقعے سے ہٹا کے کام کی طرف مبذول کر دیا۔البتہ رات میں آریانہ اکثر آ جاتی اور بیڈ کے کنارے کھڑے ہوئے کھوئے کھوئے سے انداز میں پوچھا کرتی۔

''ڈیڈ....ذہن اتنا خالی خالی سا کیوں ہے؟ جیسے کچھ ہوا ہو۔جیسے بہت کچھ ہوا ہو مگر یاد نہ آ رہا ہو۔''

''ایک رات میں کتنا کچھ ہو سکتا ہے آخر؟'' وہ سر جھٹک کے کہتا اور کروٹ لے لیتا۔نرم بستر نامانوس کیوں لگتا تھا؟ اسے سخت بچھونے کی عادت بھی نہیں تھی نہ زمین پہ سونے کی۔پھر اب....؟ لیکن وہ بار بار سر جھٹک دیتا۔

نیلامی کے پہلے روز پارٹی ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ اسے وہ نظر آ گئی۔سرخ ساڑھی میں ملبوس سنہرے بالوں والی سوشلائیٹ جس کو اس روز عصرہ نے ملاکہ والے گھر بلوا کے اس کی چھٹی بدمزہ کر دی تھی۔فاتح جانتا تھا کہ وہ اس کے گھر کے پیچھے ہے اس لئے اسے دو ٹوک انداز میں منع کر کے وہ دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔البتہ اسے یوں لگا جیسے وہ شل ہو گئی ہو۔طبیعت کے برخلاف کوئی تیکھا جواب بھی نہیں دیا۔خیر....وہ آگے بڑھا تو ایڈم نظر آیا۔ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ایڈم اس رات کچھ کہنے آیا تھا۔

فاتح نے رک کے اس سے سوال کیا مگر وہ ہمیشہ کی طرح کم اعتماد نظر آنے لگا۔جیسے الجھ گیا ہو۔شاید اسے اس رات کے واقعات کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے۔ایک باڈی مین کے سامنے یہ بات نہیں کھلنی چاہیے کہ وہ ذہنی طور پہ اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہے کہ لوٹے جانے کے اس واقعے کو بھول جائے۔اونہوں۔اسے اپنے استفسار پہ پچھتاوا ہوا سو بات ختم کر کے آگے بڑھ گیا۔

پارٹی کی رونق اپنے عروج پہ تھی۔ دوروزہ نیلامی میں آج آدھے آئٹمز رکھے گئے تھے۔ باقی آدھے اور زیادہ قیمتی چیزیں عصرہ نے کل کے لئے بچا رکھی تھیں۔ وہ کال سننے مہمانوں سے ذرا الگ ہوا تو سیکرٹری عثمان قریب آیا اور سرگوشی کی۔

''سر وہ پیسے میں اب ادا کر دوں ایڈم کو؟''

وان فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کون سے پیسے؟''

''سر۔۔۔ جو آپ نے میرے اکاؤنٹ میں آن لائن بھجوائے تھے۔ اس رات جب آپ ملاکہ میں تھے اور آپ نے مجھے کال کر کے کہا تھا کہ سیل فون کھو گیا ہے تو میں آپ کے لئے نیا فون اور نئی سم لے لوں۔'' وہ وضاحت دیتے دیتے خود بھی حیران نظر آنے لگا۔

''ہاں ہاں....رائٹ۔'' وہ سنبھل کے مسکرایا۔ ''تو تم وہ پیسے ایڈم کو کیا کہہ کے دو گے؟ کیوں دے رہے ہوا سے یہ؟''

''سر وہی جو آپ نے کہا تھا کہ اس کو معلوم ہے یہ کس چیز کے ہیں۔ آپ نے اصل میں صبح سے پہلے ٹرانسفر کا کہا تھا مگر مجھے اس کا اکاؤنٹ نمبر نہیں معلوم تھا اس لئے دیر ہو گئی۔''

''ہاں' ابھی دے دو پھر۔'' وہ سرسری انداز میں کہہ کے گلاس سے گھونٹ بھرتا مڑ گیا البتہ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان پھر سے ابھرنے لگے تھے۔

سوموار کو اس کی واپسی پہ عثمان نیا فون اور سم کارڈ لے کر جب آیا تو اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ حکم آدھی رات کو اسے فون کر کے فاتح نے ہی دیا تھا' مگر عصرہ سامنے تھی تو عثمان نے اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے فاتح نے فون نکالا اور اپنا بینک اکاؤنٹ پورٹل کھولا۔ پھر آخری ٹرانزیکشن چیک کی۔ بیس ہزار رنگٹ۔ اس کی آنکھیں تعجب سے کھل گئیں۔ اس نے بیس ہزار کیوں بھیجے ایڈم کو؟ ٹرانزیکشن کرتے وقت یادداشت کے لئے جو نوٹ لکھا جاتا ہے' فاتح نے وہ نوٹ کھولا۔ وہاں ایک سطر لکھی تھی۔

For Chocolates

کیا یہ ٹرانزیکشن میں نے ہی کی ہے؟ مگر کسی اور کو میرا پاسورڈ نہیں معلوم۔ اور عثمان کو جب میں نے خود فون کر کے کہا ہے تو...اوہ خدایا۔ اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔

گلاس ایک قریبی میز پہ رکھا اور لوگوں کے درمیان سے گھاس پہ راستہ بناتا آگے بڑھنے لگا۔ شدید گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

اندر لاؤنج میں بھی چند لوگ آ جا رہے تھے جو کسی ضرورت سے اندر آئے تھے یا ملازم تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کرتا لاؤنج کے پرلے کونے پہ بنے پاؤڈر روم کی طرف بڑھا۔ (یہ ایسا کمرہ تھا جس میں بڑا سا آئینہ دیوار پہ لگا کے سامنے سنک بنے تھے۔ یہ صرف

مہمانوں کے ہاتھ دھونے کے لئے تھا۔ باتھ روم کے طور پہ استعمال کرنے کے لیے نہیں۔)

دروازے کا ناب گھمایا اور اسے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر تیز زرد بتیاں جلی تھیں۔ دیوار گیر آئینے کے سامنے ماربل کا بڑا سا سلیب تھا جس میں فاصلے پہ دو سنک بنے تھے۔

ایک سلیب پہ ہتھیلیاں جمائے وہ جھکی کھڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ سنہری ساڑھی اور سنہری بالوں والی تالیہ۔

"سوری۔ میں باہر جا رہا ہوں۔" وہ واپس ہونے لگا تو تالیہ نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ آئینے میں اپنے عکس کے عقب میں چوکھٹ پہ ڈور ناب پکڑے فاتح کو دیکھا۔ اور فاتح نے بھی آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا تو ٹھٹکا۔

اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے تھے اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ جیسے جسم میں خون کا قطرہ بھی نہ رہا ہو۔ وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔ شاید کافی دیر سے رو رہی تھی۔ کاجل بہہ گیا تھا۔ اسے عکس میں دیکھ کے بالکل ٹھہر گئی۔ فاتح نے ابرو تعجب سے اکٹھے کیے۔

"تم ٹھیک ہو تاشہ؟" رسمی سا پوچھا۔

تالیہ نے ٹشو رول سے لمبا سا ٹشو کھینچا' اور اس کے قریب آئی۔ فاتح نے ڈور ناب چھوڑ کے راستہ دیا۔ تالیہ بے دردی سے آنکھیں رگڑیں اور ایک دکھ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

"میرا نام.... تالیہ ہے۔ تالیہ بنتِ مراد۔" تکلیف سے چبا چبا کے بولی۔

"ہاں' واٹ ایور' تاشہ۔ تم آرام سے منہ دھو لو۔ میں اپنے باتھ روم کی طرف جا رہا ہوں۔" وہ پیچھے ہٹنے لگا تو وہ گلوگیر آواز میں چیخ کے بولی۔

"آپ یہیں رہیں۔ آپ اپنی صحیح جگہ پہ کھڑے ہیں۔ میں ہی غلط جگہ پہ کھڑی تھی۔ مجھے جانا چاہیے۔ آپ کو آپ کا گھر اور یہ زندگی مبارک ہو۔"

دکھ اور تنفر بھری نظروں سے اسے دیکھتی وہ پیر پٹختی آگے بڑھ گئی تو فاتح نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

"ہاؤ روڈ!" پھر سر جھٹک کے آگے چل دیا۔

ایڈم لان کے دہانے پہ کھڑا عثمان سے بات کر رہا تھا جب وہ اندر سے آتی دکھائی دی۔ عثمان نے اسے ایک پھولا ہوا لفافہ تھمایا اور بے زاری سے چند جملے کہہ کے پلٹ گیا۔ تالیہ قریب آئی تو نڈھال لگتی تھی۔

"عجیب بات ہے۔ وان فاتح نے یہ پیسے مجھے کیوں بھجوائے ہیں؟" وہ حیران سا اس سے پوچھنے لگا۔ "میں نے پوچھا یہ کب بھیجے ہیں انہوں نے تو وہ بولا کہ اتوار کی رات کو کہا تھا' یعنی جب ہم واپس آئے تھے۔ یعنی ان کی یادداشت جانے سے پہلے انہوں نے...."

"ایڈم.... پلیز.... مجھے گھر چھوڑ آؤ۔" وہ اس کو نہیں سن رہی تھی۔ ایڈم نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا میک اپ منہ دھونے

کے باعث ہلکا ہو گیا تھا۔ کاجل کچھ بہہ گیا تھا۔ اور آنکھوں کے کٹورے بار بار پانی سے بھر رہے تھے۔

''چے تالیہ.... خود کو سنبھالیں۔'' اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''مجھے اس وقت کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ بس تم کار اسٹارٹ کرو۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی۔ ''میں عصرہ کو الوداع کہہ دوں۔''

ایڈم کو وہیں چھوڑ کے وہ عصرہ کی طرف جانے لگی۔ وہ لان کے دوسرے دہانے پہ کھڑی مہمانوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ چند گز کا فاصلہ بھی اس کے لئے دوبھر ہو گیا۔ قدم بھاری بھاری سے ہونے لگے۔ وہ بدقت چلتی قریب آئی۔ جسم اتنا نڈھال تھا کہ لگتا تھا ابھی گر پڑے گی۔

''عصرہ.....'' اس کے پکارنے پہ مسکراتی ہوئی عصرہ مڑی تو اس کی شکل دیکھ کے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تالیہ تم ٹھیک ہو؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''نہیں۔ میری طبیعت اچانک سے خراب ہو گئی ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔ بہت معذرت۔'' وہ بدقت اپنے وجود کو مجتمع رکھے بول رہی تھی۔

''اوہ.... ابھی تو تمہارے بنائے میرے پورٹریٹ کی نیلامی بھی ہونا تھی۔''

''میں نہیں رک سکتی۔ پلیز۔''

''اٹس اوکے۔ کل آ جانا۔ ویسے بھی گھائل غزال تو کل ہی لگے گی۔''

مگر اس کی بلا سے اب گھائل غزال اور عصرہ کے ساتھ جو بھی ہو۔ اسے اب کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ بس ایک دل تھا جو رک رک کے دھڑک رہا تھا۔ سارے مسئلے اس دل کے ہی تو تھے۔

راستے میں ایڈم خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور وہ چپ چاپ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ آنسو بنا آواز کے بہہ رہے تھے۔ ایڈم بار بار رونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کے اسے دیکھتا' مگر کچھ کہہ نہ پاتا۔ پھر اس نے کوشش کی۔

''مجھے نہیں معلوم ان کا زیادہ بڑا جرم کیا ہے۔'' اسٹیئرنگ وہیل گھماتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ ''وہ پانی پی لینا' ہمیں بے خبر رکھنا یا آپ کو آزاد نہ کرنا۔ پتہ نہیں وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں لیکن اگر وہ ہمیں اس طرح اپنی زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں تو نکالنے دیجئے۔ دکھ مجھے بھی ہے' اور دماغ شل ہے لیکن میں نے کبھی ان سے لمبی امیدیں نہیں باندھی تھیں۔ اس لئے اب ہمیں بھی اپنی عام زندگیوں میں واپس چلے جانا چاہیے۔''

''ایڈم گاڑی روکو۔'' وہ ایک دم بلند آواز سے رونے لگی تو ایڈم نے جلدی سے کار آہستہ کی پھر اسے سڑک کے کنارے کھڑا کیا۔ وہ مصروف شاہراہ تھی اور کنارے پہ فٹ پاتھ بنے تھے جن کے ساتھ کھجور کے درخت قطار میں لگے تھے۔ وہ درخت کے سائے تلے رک

گئے تھے اور شاخوں کے جھروکوں سے ڈوبتا سورج دکھائی دے رہا تھا۔

''وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔ ''وہ مجھے یوں اکیلا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ مجھے پہچان کیوں نہیں رہے؟ وہ مجھ سے پہلے کی طرح بات کیوں نہیں کر رہے۔''

''چے تالیہ.... ان کو کچھ یاد نہیں ہے۔''

''مگر میں نے ان کو خود بتایا تھا۔ جنگل میں ساری کہانی سنائی تھی ان کو۔ اور تم نے ان کو خزانے کا بتایا تھا' جب تم ان کو میرے پاس سن باؤ کے گھر لائے تھے۔ مجھے پکڑنے کے لئے۔ پھر ان کو کیوں نہیں یاد؟'' وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''وہ سب چابی جوڑنے کے بعد ہوا تھا۔ جب میں کار میں ان کے ساتھ بیٹھا تو بات شروع کرنے سے قبل میں نے ان کو چابی دے دی تھی جس کو انہوں نے فوراً جوڑ دیا تھا۔ آپ کا خزانے کی تلاش میں آنا' اور ہمارا دروازہ پار کرنا' یہ سب بعد میں ہوا تھا۔''

''میں نے ان کو سب بتایا تھا جنگل میں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''اپنے بارے میں' حالم کے بارے میں' اشعر کی گھائل غزال سے متعلق سازش' عصرہ کا فائل چرانا' سب بتایا تھا۔''

''مگر ان کو یہ سب نہیں یاد۔ ان کی یادداشت میں آپ صرف ایک بگڑی امیر زادی ہیں جس نے ان کی فائل چرائی تھی۔''

''اور ان کے احساسات کا کیا؟ کیا یادداشت جانے سے وہ بھی ختم ہو گئے؟'' وہ بے یقینی بھری گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ' چے تالیہ۔ مگر احساسات تو یادوں سے مشروط ہوتے ہیں۔ آپ کو بھی تو مراد راجہ سے کبھی وہ انسیت محسوس نہیں ہوئی جو وقت کا سفر کرنے سے قبل چھوٹی تالیہ کو ہوتی تھی۔''

''نہیں۔'' اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور نفی میں گردن ہلائی۔ ''یہ سب ان کا کوئی پلان ہے۔ وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔ ان کو سب یاد ہے۔''

''وہ جھوٹ نہیں بولتے۔''

''نہیں۔ میں نہیں مانتی۔ زندگی مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتی۔ قسمت میرے ساتھ اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی۔''

''آپ denial میں ہیں۔'' اس نے افسوس سے تالیہ کو دیکھا۔ وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''میں نہیں مانتی۔ میں اتنی بری تو نہیں تھی کہ میرے ساتھ یہ سب ہوتا۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ سنا تم نے۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ وہ مجھے یوں پہچاننے سے انکاری نہیں ہو سکتے۔''

''چے تالیہ.....''

''وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔ وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔ میں ان کو دیکھ لوں گی۔ میں سب کو دیکھ لوں گی۔ میں ان سے بات

کروں گی۔" پھر اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔" ابھی لوگ تھے نا سامنے۔ کل میں ان سے اکیلے میں بات کروں گی۔ دیکھنا' وہ تب وضاحت کریں گے کہ ان کا رویہ ایسا کیوں تھا۔"

"شاک ملنے کے بعد پہلا فیز denial (نہ ماننے) کا ہوتا ہے۔" وہ گہری سانس لے کر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"پھر جب یقین آتا تو وہ صدمے میں بدلتا ہے۔ پھر یا تو وہ ملال بن کے ختم ہو جاتا ہے' یا غصے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔" اس نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ تالیہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اداس سا ایڈم کہہ رہا تھا۔

"غصے کے بعد وہ انتقام کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آپ کو خود کو اس فیز سے نکالنا ہوگا تا کہ یہ ملال بن کے ختم ہو جائے۔ میری طرح۔ جیسے میں ابھی صدمے میں ہوں اور اس صدمے کو غصہ نہیں بننا چاہیے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟" وہ دکھی لہجے میں بولی تو ایڈم اداسی سے مسکرایا۔

"آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟" اور ایکسیلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

تالیہ کے آنسو ایک دفعہ پھر تیزی سے بہنے لگے۔ اس نے گردن موڑ لی اور بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی؟ اس زندگی کے لیے؟

وہ گھر آئی تو صد شکر آج داتن نہیں تھی۔ اس نے بس دروازہ بند کیا اور کشن لے کر وہیں لاؤنج میں صوفے پہ لیٹ گئی۔ کروٹ کے بل سمٹی سمٹی سی لیٹی وہ روئے گئی۔ زار و قطار۔ بنا آواز کے۔ دل کے سب سے گہرے خانے سے ابل ابل کے آتے آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے گئے۔

کب رات گزری۔ کب صبح ہوئی۔ اسے علم نہیں ہوا۔ بس وہ گھنٹوں اسی پوزیشن میں لیٹی رہی۔

پھر کھڑکیوں سے روشنی اندر آنے لگی تو وہ آنکھیں پونچھتی اٹھی۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ مگر اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اسے وان فاتح سے ملنا تھا۔

چند منٹ بعد وہ تیار ہو کے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تو خلافِ معمول سادہ سی سفید اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی اور سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا سنہرے بال پونی میں باندھے' دھلا دھلایا چہرہ اور خالی آنکھیں.....وہ جیسے اندر تک بدل گئی تھی۔

پورچ ابھی عبور کیا ہی تھا کہ گیٹ پہ گھنٹی بجی۔ وہ قریب آئی تو دیکھا' سامنے کوریئر سروس کا رائیڈر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جسے اس نے ادب سے بڑھایا اور ایک کاغذ سامنے کیا۔

"یہ آپ کے لئے آیا ہے۔"

تالیہ نے چپ چاپ دستخط کیے اور ٹوکری تھامی۔ وہ ہیلمٹ پہنتا' واپس بائیک پہ بیٹھ گیا۔

''آج صبح مجھے وان فاتح کی دوسری ای میل موصول ہوئی ہے اور مجھے ان پیسوں کا مقصد انہوں نے سمجھا دیا ہے۔''ٹوکری کے اندر رکھے کارڈ پہ لکھا تھا۔'' وہ چاہتے ہیں کہ میں ہر ہفتے آپ کو یہ بھیجا کروں۔ میں نہیں جانتا وہ ایسے کیوں کر رہے ہیں' مگر وجہ جو بھی ہو.... ہیپی برتھ ڈے۔''

اس نے ٹوکری میں جھانکا۔ اندر تازہ رسیلے کوکو پھل رکھے تھے۔ اور ان کے درمیان کہیں کہیں چاکلیٹ بارز پڑے تھے۔

(وہ اداکاری کررہے ہیں۔ وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے۔) وہ کار کی طرف بڑھتے ہوئے بدگمانی سے سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

کے ایل پہ کب سے بادل برس رہے تھے۔ وہ درمیانے طبقے کا علاقہ بارش سے بھیگ بھیگ چکا تھا۔ سڑک نشیب میں گرتی دکھائی دیتی تھی اور اطراف میں گھروں کی قطاریں تھیں۔ اس گیلی سڑک پہ ایڈم بن محمد آتا دکھائی دے رہا تھا۔ چیک والی میرون شرٹ سیاہ پینٹ پہ پہنے' وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے ٹائپ کرتا چل رہا تھا۔

کیلکولیٹر پہ وہ حساب کررہا تھا کہ جتنے پیسے وان فاتح نے دیے تھے ان سے اگر وہ ہر ہفتے کوکو پھل لے کر چے تالیہ کو دے تو وہ کتنے عرصے میں ختم ہوں گے؟

قریباً چار ماہ میں۔ اور اس کے بعد؟ اس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین پہ وہ ای میل کھولی جو آج علی الصبح اسے موصول ہوئی تھی۔ وان فاتح نے وہ چار روز قبل بھیجی تھی مگر شیڈیول کردینے کے باعث وہ آج اس تک پہنچی تھی۔

''ایڈم.... میرا اسکریٹری عثمان اب تک ایک خطیر رقم تمہارے حوالے کرچکا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس رقم سے ہر ہفتے تالیہ کو چاکلیٹس اور کوکو پھل بھجوایا کرو۔ وہ جہاں بھی ہو' اس کو یہ ہر ہفتے ملنا چاہیے۔ بیس تاریخ کو اس کی سالگرہ ہے... میں چاہوں گا کہ تم بیس تاریخ سے اس کام کو شروع کرو اور جب تک یہ پیسے تمہارے پاس ہوں' تم یہ کام کرتے رہو۔

فقط،

تمہارا وقت کا ساتھی۔''

وہ ای میل صبح سے کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔ تالیہ کو پھل بھجوانے کے بعد بھی وہ اسے بار بار کھولتا تھا۔ انہوں نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ وہ اسے معلق کیوں کر گئے ہیں؟ یہ کیوں نہیں بتایا کہ اسے کوکو پھل بھیج کے وہ بار بار اسے اپنا آپ کیوں یاد دلانا چاہتے ہیں؟ ایسے تو وہ کبھی آگے نہیں بڑھ پائے گی۔ نئی زندگی نہیں شروع کر پائے گی۔ اوہ وان فاتح۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور گیلی سڑک پہ تیز قدم بڑھانے لگا۔ گھروں کی قطار کے آگے ننھے ننھے باغیچے بنے تھے۔ بارش نے ان سب کو بھی دھو کے نکھار ڈالا تھا۔ ایڈم سرسری نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتا' جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جارہا تھا جب وہ رکا۔

اس کے گھر سے دو گھر چھوڑ کے ایک گھر کے باہر پتھریلی چوکی پہ ایک نوعمر بچی بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ ہاتھ میں قلم بھی تھا جس سے وہ بار بار کچھ انڈر لائن کرتی۔ بارہ تیرہ سالہ بچی نے ابھی تک اسکول یونیفارم پہن رکھا تھا اور سر کتاب پہ جھکا تھا۔

کتاب کا سرورق دکھائی دے رہا تھا' اس لئے اس کے قدم رکے۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا وہ اس کے قریب آیا۔

''لیزا!'' نرمی سے ہمسائیوں کی بچی کو پکارا تو اس نے سر اٹھایا۔

''ایڈم آ بنگ....'' پھر بھنویں بھنچیں۔ ''آپ مختلف لگ رہے ہیں۔ یہ بالوں کو کیا کیا؟''

''تم اسے چھوڑو۔ یہ بتاؤ' کیا پڑھ رہی ہو؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''یہ!'' لڑکی نے کتاب اٹھا کے دکھائی۔ بھوری جلد پہ سنہری رنگ سے واضح لکھا تھا۔ بنگا را ملایو (ملایا کا نرگسی پھول) از آدم بن محمد۔

''یہ ایک تاریخی داستان ہے جو ہمارے کورس میں شامل ہے۔''

''اچھا۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''کیسی کتاب ہے یہ؟''

''ہونہہ۔ خواہ مخواہ میں ہی لکھی مورخ نے۔'' وہ منہ بنا کے بولی تو ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''پتہ نہیں یہ کیوں اتنی موٹی تاریخی کتابیں لکھی جاتی ہیں؟ کون سا سلطان کس سن میں مرا' کون سی جنگ کس تاریخ کو ہوئی۔ ایک دم بے کار۔ بھلا پوچھو' جب بھی ہوئی ہو جنگ' اس کے بارے میں علم ہونے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ اوپر سے اتنا مشکل ٹیسٹ آتا ہے اس سے۔ دل کرتا ہے اس مورخ کو بھرے چوک میں الٹا لٹکا کے....''

''بس تم ساری زندگی نکمی' کام چور اور جاہل رہنا۔'' وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ چمک کے بولا۔ ''ہمسائیوں کے گھروں سے مرغیوں کے انڈے اور محلے کی دکان سے چاکلیٹس چرا چرا کے کھاتی رہنا۔ تمہیں کتابوں کی اہمیت پتہ ہوتی تو یوں مرمر کے پاس نہ ہوتیں۔ ہونہہ۔ یہ لٹکائیں گی مورخ کو!''

بچی نے جواباً زور سے ''ہونہہ'' کر کے سر جھٹکا اور چہرے کے آگے کتاب کر لی۔ ایڈم نے پیر پٹخا' زیادہ بلند آواز میں ''ہونہہ'' کیا اور برے برے منہ بناتا آگے بڑھ گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو بادل چھٹنے لگے تھے اور دھوپ نکل رہی تھی۔ سفید بلی گھاس پہ انگڑائیاں لیتی ستانے میں مصروف تھی۔ ڈربے کے اندر بیٹھی مرغی چوکنی سی باہر جھانکتی بلی کو دیکھ رہی تھی۔ اپنے بچے اس نے پروں کے قریب دبا رکھے تھے۔

ایڈم نے پنجرے پہ رکھے مرتبان کا ڈھکن کھولا' خوراک کی مٹھی بھری اور جھک کے جالی سے اندر پھینکی۔ چوزے چوں چوں کرتے فوراً سے دانوں کی طرف لپکے۔

''کیا صبح ہی صبح جاب ڈھونڈنے نکلے تھے؟'' ماں اس کے عقب میں کب آ کھڑی ہوئی اسے علم ہی نہ ہوا۔ بس مسکراتے ہوئے چوزوں کو دیکھتا رہا۔

''ایڈم.... نوکری ڈھونڈ رہے ہو نا؟'' ایبو کے چہرے پہ تشویش تھی۔ وہ جھاڑو ہاتھ میں لئے' آستینیں اوپر چڑھائے' کام کے غالباً درمیان سے اٹھ کے آئی تھی۔

''نوکری کرنے سے کیا ہوگا' ایبو؟'' اس کی نظریں چوزوں پہ جمی تھیں جو پھدک پھدک کے دانے چگ رہے تھے۔

''پھر وہی مایوسی کی باتیں۔''

''غلط۔ مایوسی کی بات نہیں کر رہا۔ سوال پوچھ رہا ہوں۔ نوکری کرنے سے گھر میں 'دانہ' آئے گا نا؟'' وہ اس کی طرف گھوما تو چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

''ہاں بیٹا' تم پیسے کمانے لگو گے تو شادی کر سکو گے' پھر اپنے بچے پال سکو گے' خوشحال رہو گے۔''

''یعنی نوکری صرف کمانے اور بچے پالنے کے لئے کی جاتی ہے۔ مگر ماں.... وہ تو جانور ہوتے ہیں جو صرف کھانے اور بچے پیدا کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔''

''وہ الگ بات ہے' ایڈم۔'' ایبو نے سمجھانا چاہا مگر پنجرے کے سامنے کھڑا ایڈم اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''میں سیکیورٹی گارڈ کی نوکری ڈھونڈ رہا ہوں ماں۔ میں نوکری ضرور کروں گا' پیسے بھی کماؤں گا اور کیا پتہ کوئی بڑا خزانہ بھی میرے ہاتھ لگ جائے' لیکن' ماں..... کیا انسان کی زندگی میں کوئی بڑا مقصد نہیں ہونا چاہیے جو اس کو جانوروں اور پرندوں پہ فوقیت عطا کرے؟ کوئی تو فرق ہم میں ہونا چاہیے نا۔''

''ہاں ضرور۔ تم با مقصد نیک کام بھی کرو زندگی میں۔ لیکن نوکری الگ چیز ہے۔''

''نیک' با مقصد کام اور نوکری ایک ہی چیز کیوں نہیں بن سکتے ماں؟ اس سوال کا جواب میرے پاس خود بھی نہیں ہے' مگر آج کل میں اکثر یہی بات سوچتا ہوں۔'' پھر اس نے گہری سانس بھری اور ایک نظر پنجرے پہ ڈالی۔ چوزے دانہ چگ چکے تھے اور اب مٹی میں آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ ان کو مزید دانوں کی تلاش تھی۔ ننھے ننھے پیٹ تھے مگر بھوک مٹتی ہی نہ تھی۔ ان کی ساری دوڑ دھوپ صرف بھوک مٹانے کے لئے تھی۔

کیا ایڈم بن محمد ان ننھے پرندوں سے بھی گیا گزرا تھا؟ وہ اداسی سے سوچے گیا۔

☆......☆......☆

آسمان خوب بارش برسا کے اب ہلکا ہو چکا تھا اور بادل چھٹ چکے تھے۔ دھوپ نکل آئی تھی' اور ایسے میں پارلیمان کی عمارت فخر

سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

پارلیمان ایک اونچے ٹاور اور ساتھ زمین پہ پھیلی عمارتوں پہ مشتمل تھی۔ زمین پہ لیٹی عمارت میں (پارلیمان اور سینٹ) کے ایوان تھے اور اونچے ٹاور میں پارلیمانی ممبرز کے آفسز تھے۔

ٹاور کے اندر قطار میں لفٹس لگی تھیں۔ ایک لفٹ کے دروازے کھلے تو اندر سے وان فاتح باہر نکلا۔ سامنے طویل کاریڈور تھا جس میں بتیاں جلی تھیں اور چند افراد آ جا رہے تھے۔ فاتح موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالتا عثمان سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس نئے legislation کا ڈرافٹ اپنی میز پہ چاہیے۔''

''سر وہ تو میں نے آپ کو ہفتے والے روز ہی دے دیا تھا۔''

''ہاں آف کورس!'' فاتح نے گہری سانس لی اور پیشانی چھوئی' پھر تیز قدم اٹھاتے عثمان کی طرف جھک کے کہا۔ ''مگر درمیان میں اتوار کا دن آ گیا جو میں نے ملاکہ میں گزارا۔ کبھی ایسا ہوا تمہارے ساتھ عثمان کہ تم صرف ایک رات کے لئے سوؤ اور جب جاگو تو لگے ایک زمانہ بیت چکا ہے۔'' ساتھ ہی جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

''کبھی میں بہت تھکا ہوا ہوں تو ایسا لگتا ہے' سر۔'' عثمان نے اٹک اٹک کے جواب دیا اور پھر فاتح کو دیکھا۔ وہ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا' گیلے بال دائیں طرف کو جما رکھے تھے اور آنکھ کے قریب زخم کنسیلر لگا کے چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کھڑے ایک 'کارکن' سے یوں دل کی بات پہلے نہیں کیا کرتا تھا۔ یہ عادت کب سے پڑی اس کو؟

راہداری میں وہ مڑے تو لیڈر آف اپوزیشن کا آفس سامنے نظر آیا۔ وان فاتح کے قدم سست ہوئے۔ بند دروازے کے سامنے تالیہ کھڑی تھی۔

''تم....ادھر؟'' اسے حیرت ہوئی۔ پھر ایک برہم نظر عثمان پہ ڈالی۔

''اگر پرس میں پیسے ہوں تو لیڈر آف اپوزیشن کے آفس تک پہنچنے کی اجازت مل جاتی ہے' فاتح صاحب!'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سادہ سفید اسکرٹ بلاؤز پہ سیاہ کوٹ.. پونی میں بندھے بال' دھلا دھلایا چہرہ.....روئی روئی آنکھوں تلے سرخی....وان فاتح پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھتا قریب آیا۔

''خیریت؟ تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اسے یہ ناگوار گزرا تھا۔

''ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔ اگر آپ کو مناسب لگے تو میں اندر آ سکتی ہوں؟ نہ بھی لگے تو میں اندر آنا چاہوں گی۔'' وہ ہٹ دھرم لگ رہی تھی۔ آج آر یا پار ہونا تھا۔

فاتح نے ضبط سے پہلے عثمان کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر تالیہ کو پیچھے آنے کا کہا۔ اندر آتے ہی وہ سیدھا اپنی کرسی کی طرف گیا۔

''بیٹھو' تاشہ۔ اور بتاؤ کیا بات ہے۔'' ہاتھ جھلا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں وہ دونوں تنہا تھے۔ کوئی ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی قریب آئی۔ کرسی کھینچی۔ اس پہ بیٹھی۔ مگر پلک تک نہ جھپکی۔ بس اسے دیکھے گئی۔

''تاشہ جو بھی کہنا ہے تمہیں' بس پانچ منٹ میں کہو اور مجھے کام کرنے دو۔ اس سے زیادہ مروت کا مظاہرہ میں نہیں کر سکتا۔'' وہ ہموار لہجے میں بولا۔ سپاٹ آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔ کوئی شناسائی... کوئی بیتے زمانوں کا عکس۔۔۔ ان آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔

''آپ جانتے ہیں میں کیا کہنے آئی ہوں۔'' اس کی آواز بلند ہوگئی۔ گلا رندھنے لگا۔

''میں وہ گھر تمہیں نہیں بیچنا چاہتا۔ وہ بات ختم ہو چکی ہے۔ مزید کوئی بات کرنی ہے تو بتاؤ۔'' وہ ناراض نہیں لگ رہا تھا' بس بے زار تھا۔ یہ بے گانگی' یہ بے نیازی....

تالیہ کا دل ہر دھڑکن کے ساتھ ڈوبنے لگا۔

وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

وہ واقعی سب فراموش کر چکا تھا۔

وہ اس کے لئے صرف ایک سطحی' بگڑی ہوئی امیر زادی تھی جو بار بار اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ یا اللہ.... اگر اسے واقعی کچھ یاد نہیں تو وہ اس کے بارے میں اس وقت کیا سوچ رہا ہوگا؟

حقیقت کی روشنی ذہن کی کھڑکیوں سے اندر گئی تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس نے تھوک نگلا اور سارے آنسو پی گئی۔ پھر ذرا سنبھل کے بیٹھی۔

''میں صرف ایک وضاحت دینے آئی تھی۔ آپ نے....'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ نیم اندھیر آفس ایک دم ٹھنڈا لگنے لگا تھا۔ ''آپ نے مجھ پہ الزام لگایا تھا کہ وہ فائل میں نے چرائی تھی۔ اشعر صاحب کے کہنے پہ۔ آپ اپوزیشن لیڈر ہیں۔ حکومتی ارا کین پہ الزام لگاتے ہیں تو ثبوت بھی دیتے ہیں۔ مجھ پہ الزام لگانے کا ثبوت نہیں دیا مجھے آپ نے۔''

''تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں نے ثبوت پولیس کو نہیں دیے۔ خیر۔ فائل میں واپس لے چکا ہوں۔ اس لئے اس ٹاپک کو بند کر دو تو اچھا ہوگا۔''

''پوچھ سکتی ہوں فائل واپس کیسے لی آپ نے؟ سچے اور ایماندار لیڈر ہیں آپ' اپنی ووٹر کے سوال کا جواب دیانتداری سے دینا چاہیے آپ کو۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سوال کرتی میز پہ دونوں مٹھیاں رکھے ہوئے تھی۔ سرد شیشے سے ٹھنڈک سی نکلتی اس کے سارے جسم

میں سرایت کررہی تھی۔

''اچھا تو تم نے مجھے ووٹ دیا تھا۔'' وہ ٹائی کوذرا ڈھیلا کرتا کرسی پہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''میرا سوال وہیں موجود ہے' فاتح صاحب۔ اگر آپ نے سچ بولا تھا کہ فائل واقعی چوری ہوئی ہے تو اتنی جلدی واپس کیسے آ گئی ؟''اس نے ٹھنڈے شیشے سے ہاتھ ہٹا کے گود میں رکھ لئے۔ نظریں وان فاتح کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''میں نے ایک انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا۔ خوش؟'' ساتھ پہ ابرو اچکائے۔ وہی ازلی بے نیازی۔ وہ واقعی بھول چکا تھا۔

تالیہ نے بدقت خود کو سنبھالا۔ دل زخم زخم ہو رہا تھا۔

''میں نے آپ کی فائل نہیں چرائی تھی۔ کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہوں گی۔ لیکن ٹھیک ہے۔ اس ٹاپک کو بند کر دیتے ہیں۔ آپ مجھے گھر نہ بیچنا چاہیں' آپ کی مرضی۔ بس میرے ایک آخری سوال کا جواب دیانتداری سے دے دیں۔''

پرس اٹھاتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی تو وہ ''عادتاً'' اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھتے ہی اسے احساس ہوا کہ اسے نہیں اٹھنا چاہیے تھا' پھر کیوں؟

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ اس عادت کو پہچانتی تھی۔ یعنی اس کی صرف narrative memory کھوئی تھی۔ عادات اور سیکھی ہوئی چیزیں اس کے وجود سے الگ نہیں ہوئی تھیں۔

''آپ مجھے وہ گھر کیوں نہیں بیچنا چاہتے؟''

''کیونکہ وہ ایک تاریخی ورثہ ہے اور تم تاریخی چیزوں کو صرف پیسے کمانے کا ذریعہ سمجھتی ہو۔''

''اور کس لیے ہوتی ہے تاریخ؟''

''تاریخ ''سیکھنے'' کے لئے ہوتی ہے۔ عبرت کے لئے۔ وہ گھر میں اس کو بیچوں گا جو اس کی قدر کرنا جانتا ہوگا۔ اور تم صرف پینٹ کرنا جانتی ہو۔'' دونوں کے درمیان میز تھی اور وہ اس کے کناروں پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ فرش سے اٹھتی ٹھنڈک اس کے پیروں میں سرایت کرتی اسے برف کر رہی تھی۔

''آپ پینٹرز کو کمتر سمجھتے ہیں؟'' اس کی ریڑھ کی ہڈی مارے سردی کے دکھنے لگی تھی۔

''تاشہ!'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''انیسویں صدی میں ایک امیر گھرانے کی لڑکی الزبتھ تھامسن پینٹ کیا کرتی تھی۔ تب عورتیں اگر پینٹرز بنتی تھیں تو وہ تمہاری طرح عام چیزیں بناتی تھیں۔ پھول' انسانی شکل' گلدان۔ سینری۔ مگر الزبتھ کی سوچ گہری تھی۔ وہ جنگی پینٹنگز بناتی تھی۔ اور ہاں' تب یہ جنگوں پہ مبنی فلمیں نہیں بنتی تھیں نہ اس نے جنگیں دیکھی تھیں جو اس کو معلوم ہوتا کہ جنگیں کیسی ہوتی ہیں۔ جانتی ہو اس نے اپنی ایک شہرہ آفاق پینٹنگ بنانے کے لئے ایک کھیت میں بچوں کو دوڑایا' پھر بہت سے گھوڑے خریدے اور ملازموں کو فوجی وردیاں پہنا کے اس میں

دوڑایا۔ پھر نقلی لڑائی کروائی۔ اس سے کھیت تباہ ہوا' دھول اٹھی' میدان کا رنگ بدلا۔ اور وہ ناز و نعم میں پلی لڑکی پینٹ کرتی گئی۔ مجھے صرف اس پینٹر عورت نے متاثر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے روشناس کروانے کے لیے پینٹ کرتی تھی۔ میں پینٹرز کو کمتر نہیں سمجھتا۔ مگر میں صرف ان پینٹرز سے متاثر ہوتا ہوں جو کسی بڑے مقصد کے لئے پینٹ کرتے ہیں۔ جیسے الزبتھ کرتی تھی۔''

یکدم ساری ٹھنڈک تالیہ کے جسم سے نکلتی گئی۔ اس کا چہرہ دہکنے لگا۔ تنفس تیز ہو گیا۔ وہ آگے بڑھی' ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے اس کے انداز میں جھکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ یہ بتانا بھول گئے فاتح صاحب کہ.... الزبتھ نے لارڈ بیلی سے شادی کر لی تھی۔ اس کا تنگ ذہن جاگیردار نواب شوہر سمجھتا تھا کہ عورت کی اپنی سوچ نہیں ہو سکتی' وہ اپنی رائے نہیں رکھ سکتی اور اسے پینٹ کرنی کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کبھی الزبتھ کے ٹیلنٹ اور شوق کی انتہا کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے اپنے نظریات الزبتھ پہ تھوپنے شروع کر دیے اور اس کا کیریئر آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ شاید اس کا دل مر گیا تھا۔ آپ نہیں جانتے فاتح صاحب' ظالم اور بے حس آدمی سے شادی اونچے ارادوں والی لڑکی کو کیسے مار دیتی ہے۔''

پرس کا اسٹریپ پھسل کے نیچے آ گیا تھا۔ اس نے اسے کندھے پہ دوبارہ جمایا اور ایک شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا اور کرسی سنبھالی۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ شکر کہ وہ مزید وقت ضائع کیے بغیر چلی گئی۔

☆......☆......☆

کے ایل کے قریب پتراجایا کا شہر تھا۔ کے ایل کی اکثر سرکاری عمارتیں اب پتراجایا منتقل ہو چکی تھیں اور وہ طاقت اور اثر و رسوخ کا منبع بن چکا تھا۔ بارش کے بعد آسمان صاف ہو چکا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ چلی گئی اور سارے شہر پہ ٹھنڈی سی چھایا چھا گئی۔ پتراجایا میں ایک بڑا سا پل تھا جس کے چاروں طرف اونچے ٹاورز بنے تھے۔ پل کے درمیان میں سڑک گزر رہی تھی اور دونوں اطراف میں سرکارپٹ سے مزین فٹ پاتھ بنے تھے جن کے اوپر لوگ پیدل بھی پُل عبور کر رہے تھے۔

دونوں طرف کے سرخ فٹ پاتھ کو اونچے ریلنگ نے مقید کر رکھا تھا۔ نیچے دریا کی صورت بنی جھیل بہہ رہی تھی۔ وہاں سیاح جگہ جگہ کھڑے تصاویر کھنچواتے دکھائی دے رہے تھے۔

مگر وہ سیاحوں کی طرح کھڑی نہیں تھی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے' سرخ کارپٹ پہ اکڑوں بیٹھی نیچے بہتی جھیل کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ کوٹ ساتھ زمین پہ پڑا تھا۔ اور ہوا سے پونی جھول رہی تھی۔ خالی خالی سیاہ آنکھیں دور پانیوں پہ جمی تھیں۔ پل کی پتھریلی سڑک کی طرف اس کی پشت تھی اور سڑک پہ دوڑتی ٹریفک کا شور اس کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اس کے جیسے سارے احساسات برف ہو گئے تھے۔ اور جب برف پگھلی تو ہر شے بہہ گئی۔ وہ خالی ہاتھ' خالی دامن بیٹھی تھی۔

سیاہ بوٹ میں مقید دوقدم اس کے قریب آکے رکے۔اس نے سر نہیں اٹھایا۔بس پانی کو دیکھتی' خود فراموشی کے عالم میں بولی۔

''میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔سب کھو گیا۔میرا اس کے ساتھ گزارا اچھا وقت چوری ہو گیا۔میرے سارے سچ جھوٹ بن گئے ۔وہ مجھے اب پہچانتا بھی نہیں ہے۔کوئی ایسے کیسے اجنبی بن جاتا ہے' ذوالکفلی صاحب؟'' شکوہ کناں پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے ہوئے تھا۔بال جگہ جگہ سے سفید تھے اور چہرے پہ مسکراتے ہوئے جھریاں پڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے' تالیہ؟ تم فون پہ اتنی ٹوٹی ہوئی کیوں لگ رہی تھیں؟'' وہ نرمی سے سوال کرتا اس کے سامنے سرخ قالین پہ بیٹھا' ایسے کہ ذوالکفلی کی پشت جھیل کی طرف اور چہرہ تالیہ کی جانب تھا۔

''میں زندگی میں پہلی دفعہ اتنی بری طرح ہاری ہوں۔مجھے غلط آدمی سے محبت ہوگئی۔وہ شادی شدہ تھا' اس کے دو بچے تھے' اسی لئے میں اس کا خواب نہیں دیکھتی تھی۔مگر وہ اَن دیکھا خواب سچا ہو گیا۔وہ مجھے مل گیا' لیکن وہ چھوڑ دیتا تو اچھا تھا۔کم از کم وہ میرا دوست تو رہتا....''

اس کی آنکھوں کے کٹورے پانیوں سے بھرنے لگے۔''مگر اس نے تو مجھے اپنی زندگی سے کاٹ کے پھینک دیا۔وہ ایسا بے نیاز اور بے حس ہو گیا کہ اسے میری ساری اچھائیاں بھول گئیں۔اسے میری ذہانت' میری کوشش سب بھول گیا۔میں اس کے لئے صفر ہو گئی ہوں بلکہ شاید منفی کا کوئی ہندسہ!'' آنسو ٹپ ٹپ گالوں پہ گرنے لگے۔

''میں کیا کروں' ذوالکفلی صاحب' میں اتنی دکھی ہوں کہ میرا دل زندہ رہنے کو بھی نہیں چاہتا۔میں نے ہر چیز ہار دی ہے۔میرے پاس کچھ نہیں بچا۔''

ذوالکفلی نے سیاہ چشمہ اتارا اور اپنی جھریاں زدہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا بھیگا چہرہ دیکھا۔

''کیا اسے تم سے محبت تھی؟''

''اپنائیت تھی' دوستی تھی' محبت کا علم نہیں۔پھر اس کا ایک حادثہ ہو گیا۔اس کی یادداشت کھو گئی۔اب وہ مجھے نہیں پہچانتا۔اس کا ذہن اس وقت تک رک گیا ہے۔جب تک وہ مجھے نہیں جانتا تھا۔اس کو یاد ہی نہیں کہ ہم نے ایک ساتھ کن بلندیوں کا سفر کیا تھا۔''

اس نے روتے ہوئے سر گھٹنوں پہ ٹکا کے آنکھیں بند کر دیں۔گرم پانی گالوں پہ بہتا محسوس ہوا۔سارا منظر سیاہ ہو گیا۔پھر اس میں ذوالکفلی کی آواز گونجی۔

''کیا تم نے اس کے ساتھ زندگی کی کوئی بلندی دیکھی تھی؟''

''ہاں۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔''ساری دنیا ختم ہو گئی تھی اور بس ہم رہ گئے تھے۔جنگل کے ساتھی۔محل کے ساتھی۔قید خانے کے ساتھی۔اور اب وہ اپنے محل میں واپس جا چکا ہے۔اپنی بیوی بچوں کے ساتھ۔وہ اپنی بلندی پہ واپس جا چکا ہے اور میں پاتال میں پڑی ایک

بھکارن کے سوا کچھ نہیں رہ گئی۔''

''تمہیں یہ تصویر یاد ہے۔'' آواز پہ اس نے گیلی پلکیں کھولیں اور سر اٹھایا تو اندھیرا چھٹا اور سامنے سرخ قالین پہ آلتی پالتی کیے بیٹھا ذوالکفلی نظر آیا۔ وہ موبائل اسکرین پہ اسے ایک تصویر دکھا رہا تھا۔ منظر دھندلا تھا۔ تالیہ نے پلکیں جھپکیں تو وہ واضح ہوا۔

''یہ تم نے بچپن میں بنائی تھی۔ تم اکثر اسی طرح کی تصاویر بناتی تھیں۔ پہاڑی پہ بنے اونچے محل' اور نیچے بہتا سمندر۔''

تالیہ نے اس پینٹنگ کو دیکھا تو آنسو پھر سے بہنے لگے۔ سرسبز پہاڑی۔ تعمیر شدہ بھوری لکڑی کا محل .... اور عقب میں بہتا نیلا سمندر۔ اسے بنداہارا کا محل یاد آیا۔

''تمہارے سارے محل ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ پہاڑی کبھی سرسبز ہوتی' کبھی بھوری بنجر۔ سمندر کبھی رات کے باعث سیاہ ہوتا' کبھی سورج میں نیلا سبز چمک رہا ہوتا۔ مگر جانتی ہو ان سب میں مشترک کیا ہوتا تھا؟''

''کیا؟'' اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں کے گرد جھریاں گہری ہونے لگیں۔

''تم نے کبھی سڑک نہیں بنائی۔''

تالیہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ''سڑک؟''

''محل تک پہنچنے کے لئے پہاڑی پہ سڑک ہونا ضروری تھی' تالیہ۔ مگر تم کبھی سڑک نہیں بناتی تھیں۔''

اس نے بے یقینی سے تصویر کو دیکھا۔ اس پہ واقعی کوئی سڑک' کوئی راستہ نہیں بنا تھا جو پیدل چلنے والے کو اوپر لے جائے۔

''اور یہی زندگی ہے۔ بلندی پہ بنے محل تک پہنچنے کے لئے کوئی صاف سڑک موجود نہیں ہوتی' پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں پہ سہج سہج کے چلنا ہوتا ہے۔ ذرا سا قدم پھسلا تو نیچے سمندر میں جا گرو گی۔''

تالیہ نے آہستہ سے ہتھیلی کی پشت سے گال صاف کیے۔ وہ بالکل سُن سی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

''زندگی نے آسان سڑکوں کا وعدہ کر بھی نہیں رکھا' پتری! اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو کسی دوسرے کا راستہ کاٹنے کی بجائے اپنا راستہ خود بنانا ہوگا۔ اس تک پہنچنے کا راستہ آسان نہیں ہوگا۔ بار بار گرو گی' زخمی ہوگی' اور شاید اس تک پہنچ بھی نہ سکو' لیکن کم از کم ایک دفعہ کوشش تو کرو۔''

اس کے آنسو رک چکے تھے اور وہ گم صم سی نظریں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ مجھے اپنی زندگی سے نکال چکا ہے۔''

''اگر اس کو کسی حادثے نے تم سے الگ کیا ہے' اس کے دل کے گدلے پن نے نہیں' تو تم اس کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہو؟''

''تو کیا کروں؟ کسی Low life' بے وقار' بے خود عورت کی طرح اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد منڈلاتی

رہوں؟" قدرے غصے سے بولی۔ "یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"اگر وہ محل پہ رہنے والوں میں سے ہے اور تم اس کے ساتھ تعلق کی بلندی تک جا چکی ہو' تو یہ اسی صورت ہوا ہوگا کہ تم بے وقار' بے خود عورت نہیں بنی ہوگی۔ اور بلندیوں پہ رہنے والوں کو بلند قد کے لوگ ہی بھاتے ہیں۔ کسی کے ساتھ رہنے کے لئے خود کو بے توقیر کرنا ضروری تو نہیں۔ اور تم اتنی ذہن ہو کہ مجھے یقین ہے' تم بہتر راستے نکال ہی لو گی۔ اگر نہیں نکال سکتیں تو میں نہیں مان سکتا کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ کوئی بلندی دیکھی تھی!" تالیہ نے چہرہ موڑ کے دور نظر آتی اونچی عمارتوں کو دیکھا۔

"دیکھی تھی۔ ہم ایک زمانہ ساتھ رہے تھے۔ پھر میرے باپ نے مجھ سے وہ بلندی چھین لی۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ سب مجھے واپس مل سکتا ہے؟"

"انسان دل سے کوشش کرے اور اس کی تکنیک درست ہو تو اسے سب مل سکتا ہے۔" ذوالکفلی نے اسکرین بجھائی اور موبائل واپس جیب میں ڈالا۔

"میرا دل ٹوٹ گیا ہے' میرے جھوٹوں نے میرا پیچھا کر کے مجھے آن لیا ہے۔ مجھ میں اس دشوار گزار گھاٹی پہ چڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں تو بالکل ہار چکی ہوں۔"

"پتری تالیہ.... میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بالکل مایوس ہو۔ تمہیں اپنا آپ ایک فیلیئر لگ رہا ہے لیکن اب بھی اگر تمہارے پاس دو چیزیں ہیں تو تم دوبارہ سے کھڑی ہو سکتی ہو۔"

اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ "دو چیزیں؟"

"پہلی چیز... تمہاری sanity قائم ہے۔ تم کتنی بھی ٹوٹی ہوئی کیوں نہ ہو' کم از کم تم جھیل میں کود نہیں رہیں' یا لباس چاک کر کے سر میں مٹی نہیں ڈال رہیں۔ ساری مایوسی ایک طرف' تم اب بھی اپنے حواسوں میں ہو۔ اس کا مطلب ہے تم پھر سے کھڑی ہو سکتی ہو...."

تالیہ نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ آنسو پھر سے گرنے لگے۔ "ظاہر ہے میں جانتی ہوں کہ اگر اس سے مایوس ہو بھی جاؤں تو کہیں دور چلی جاؤں گی' خاموش اور اداس زندگی گزاروں گی۔ مگر حواس سلامت ہیں میرے۔ اپنا تماشہ نہیں بناؤں گی نہ خودکشی کروں گی۔" پھر توقف سے بولی۔ "اور دوسری چیز؟" ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے اور اس کو اب بھی درست کر سکتی ہو۔ تمہاری غلطی کیا تھی' تالیہ؟" اس نے دہرایا۔

"میری کریڈیبلٹی نہیں ہے۔ میری 'بات' بے وزن اور بے معنی ہے کیونکہ میں سچ نہیں بولتی تھی۔ اگر میں نے خود کو سچا بنایا ہوتا تو میرا قول معتبر ہوتا اور میری ہر بات پہ وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتا۔"

"دیکھا... یہ دونوں چیزیں تمہارے پاس ہیں۔ تمہارے حواس برقرار ہیں اور تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے۔" وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا

۔اس کے عقب میں بہتی جھیل کے اوپر پرندوں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔تالیہ کی نظریں ان کے پروں پہ جم گئیں۔

"کیا شدید پچھتاؤوں اور مایوسی سے نکلنے کے لئے بس یہی دو چیزیں چاہیے ہوتی ہیں؟ حواس برقرار ہونا اور اپنی غلطی پہچان کے اسے درست کرنے کی کوشش کرنا؟"

"میرے نزدیک تالیہ.... یہ دونوں کافی ہوتی ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دہرا رہا تھا۔تالیہ نے دوبارہ سے آنکھیں رگڑیں۔

"تو اب میں کیا کروں؟ کہاں سے شروع کروں؟"

"یہ میں تمہیں کیونکر بتا سکتا ہوں؟" وہ حیرت سے مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔مسکراتے ہوئے ذوالکفلی کی آنکھیں مزید چھوٹی ہوگئی تھیں۔

"تم تالیہ مراد ہو‛اور تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان بی ہوتا ہے۔"

"میرے پاس کبھی پلان بی نہیں ہوتا۔ پلان سی‛ ڈی سب بناتی ہوں مگر بی کا خانہ خالی چھوڑتی ہوں۔سب مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں۔سمجھتے ہیں کہ اگر ہر چیز ناکام ہوجائے تو بھی تالیہ کا پلان بی انہیں مصیبت سے نکال دے گا مگر ذوالکفلی صاحب...تالیہ کے پاس کوئی پلان بی نہیں ہوتا۔"

"اب ہوگا!" وہ پُر یقین تھا۔

چند لمحے بعد ذوالکفلی سرخ فٹ پاتھ پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا اور وہ اسی طرح وہاں اکڑوں بیٹھی جھیل کے اوپر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔

بنا کسی بوجھ کے‛ وہ ہلکے اور آزاد پرندے‛ اپنے پر پھیلائے فضا کو چیر کے اوپر اڑتے جا رہے تھے۔

اوپر.... بلندیوں کی طرف.....

☆......☆......☆

سرخ مخروطی تکون سے مزین شیشوں سے ڈھکی عمارت پوری شان سے کے ایل کے کاروباری علاقے میں کھڑی تھی۔اندر آؤ تو نیچے ایک شاندار سا شاپنگ مال بنا تھا جہاں بےفکر لوگ راہداریوں میں ٹہلتے‛ شاپنگ بیگز اٹھائے‛ خریداری میں مصروف نظر آتے تھے۔مال کی چھت جہاں ختم ہوتی‛ اس سے اوپر والے فلورز مختلف کمپنیوں کے آفسز پہ مشتمل تھے۔ایک فلور باریسن نیشنل (سیاسی جماعت) کا ہیڈ آفس تھا۔اس فلور کا ماحول یکسر مختلف نظر آتا تھا۔ یہاں ہر طرف چھتوں پہ سفید بتیاں جل رہی تھیں اور شیشے کی دیواروں سے بنے کیبن میں لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک آفس میں اشعر محمود کنٹرول چیئر پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ نک سک سے تیار' گہرے نیلے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' بال جیل سے کھڑے کیے' وہ اس چھوٹے سے آفس سے مطابقت رکھتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ آفس پارٹی عہدے کی وجہ سے اس کو اس عمارت میں ملا ہوا تھا جبکہ اس کا اصل آفس یہاں سے کچھ دور کاروباری مراکز پہ مبنی ایک اونچی عمارت میں تھا۔ وہ آفس شاہانہ اور پرتعیش تھا' اور اسی کے لاکر سے' حالم' نے سن باؤ کے گھر کی فائل چرائی تھی۔ جبکہ یہ والا عام سا تھا۔

''سر!'' سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رملی کھنکھارا۔ اشعر نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے اپنے ادھیڑ عمر سیکرٹری کو دیکھا۔

''میں نے بہت تلاش کیا ہے مگر میں یہ معمہ حل نہیں کر سکا کہ وہ فائل وان فاتح کے پاس واپس کیسے پہنچی۔''

اشعر نے ایک گہری نظر رملی پہ ڈالی۔ ''یہ معمہ تو میں بھی حل نہیں کر سکا' بہر حال تم اس کی فکر نہ کرو۔'' رملی کے اندر تک اترتی نظروں سے اسے گھورا۔ ''جو بھی چور ہے' چاہے وہ اپنا ہے' چاہے وہ دشمن ہے' میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔ فی الحال تم آج کی نیلامی کی فکر کرو۔''

''سر' ساری تیاری مکمل ہے۔'' رملی جوش سے بتانے لگا۔ ''آج گھائل غزال نیلامی کے لئے رکھی جائے گی۔ ہمارا آدمی جو کہ ایک قابل بزنس مین ہے' وہاں بولی لگائے گا۔ وہ بولی کو بڑھاتا جائے گا اور مہنگی ترین قیمت پہ گھائل غزال خرید لے گا۔ چونکہ رقم فوراً نہیں بلکہ دو دن میں ادا کرنی ہوتی ہے' اس لئے وہ سودا طے ہوتے ہی دو ماہر ایکسپرٹس کو بلائے گا اور سب کے سامنے وہ گھائل غزال پہ ٹیسٹ کرنا چاہیں گے۔ عصرہ بیگم منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گی اور ماہرین یہ راز فاش کریں گے کہ پینٹنگ جعلی ہے۔ یوں ہمارا بندہ پیسے دینے سے بچ جائے گا اور....''

''اور عصرہ اور فاتح کی ساکھ خاک میں مل جائے گی۔'' اشعر پیچھے ہو کے بیٹھا اور سگریٹ نکال کے لبوں میں دبائی۔ ''پچھلے دس سال میں عصرہ کے بیچے گئے ایک ایک آرٹ پیس کا آڈٹ اور تحقیق شروع ہو جائے گی۔ مقدموں کے انبار لگ جائیں گے اور ان دونوں کے پاس الیکشن کے بارے میں سوچنے کے لئے وقت نہیں ہوگا۔ لیکن....'' وہ لائٹر سے سگریٹ جلاتے ہوئے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

''وہ لڑکی.... تالیہ مراد.... وہ بھی یہی پینٹنگ خریدنا چاہتی تھی۔ تم اس امر کو یقینی بناؤ گے کہ پینٹنگ ہمارا بندہ ہی خریدے۔ کیونکہ وہ عصرہ کی دوستی اور مروت میں ٹیسٹ نہیں کروانے دے گی۔ اور سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''سر' بے فکر رہیں۔ ہم بولی کو اتنا اوپر لے جائیں گے کہ وہ اس لڑکی کی پہنچ سے دور ہو جائے گی۔'' رملی پراعتماد تھا۔ اشعر محمود کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ اس نے جلتے سگریٹ کا کش بھرا' اور پھر جھک کے سگریٹ کو ایش ٹرے تک لے گیا۔

''عصرہ اور فاتح اتنے بڑے اسکینڈل میں پھنس جائیں گے کہ ان کی صداقت اور امانت مشکوک ہو جائے گی۔ اور پھر....'' اس نے سگریٹ کو جھٹکا۔

راکھ شیشے کے پیالے میں جا گری۔

"Ashes Ashes, We all fall down!"

پیالے کے وسط میں راکھ کے ٹکڑے پڑے تھے۔ دہکتے انگاروں سے نکلنے والے ٹھنڈے بے جان ٹکڑے.... اشعر کی نظریں ان پہ جم گئی۔ سرمئی پن میں یادوں کی ملاوٹ گھلنے لگی....

وہ اس وسیع وعریض، پرتعیش آفس میں میز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ چند برس پہلے کا اشعر۔ اس کے بال نسبتاً چھوٹے اور چہرا کم عمر لگتا تھا۔ سفید براق شرٹ پہ میرون ویسٹ پہنے، وہ نک سک سے تیار لگتا تھا، مگر آنکھیں قدرے اداس تھیں۔

کنٹرول چیئر پہ محمود صاحب براجمان تھے۔ ادھیڑ عمر، پختہ چہرے اور برہم آنکھوں والے صاحب جن کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ ایک زمانے میں یہ ان کا آفس ہوتا تھا۔ اور بے بس سا اشعر سامنے کھڑا ہوتا تھا۔

"آفرین ہے اشعر۔ تم اپنا مت سوچنا۔ بس اپنے بہنوئی کی غلامی کرتے رہنا۔" وہ سخت خفا نظر آتے تھے۔

اشعر نے تذبذب سے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔ "بابا...." آگے کو جھکے ہاتھ باہم پھنسائے اس نے سمجھانے والے انداز میں بات شروع کی۔ "فاتح آبنگ کے ساتھ کام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوگا۔ میں تعلقات بنا رہا ہوں، اپنا نام کما رہا ہوں، ہم ان کی الیکشن مہم شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے بہت محنت کی ہے ان کے لئے۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔ کل کو وہ ممبر پارلیمنٹ بنیں گے اور پرسوں انہیں مزید اونچا عہدہ ملے گا تو میں بھی نفع میں رہوں گا۔ میں ان کے سیاسی تعلقات استعمال کر کے اپنے کاروبار کو فائدہ دوں گا۔ ان کو بھی معلوم ہے کہ میرا بھی اس میں فائدہ ہے اور وہ اس بات سے مطمئن ہیں۔"

"تو کیا تم ساری عمر اس کے غلام بن کے رہو گے؟" محمود صاحب تیوری چڑھائے پوچھ رہے تھے۔

"میں ان کا پولیٹیکل سیکرٹری ہوں، بابا۔ اور میں یہی بننا چاہتا تھا۔"

"ایک سیکرٹری؟"

"نہیں، سیکرٹری نہیں۔" وہ پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔ پھر اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ بولا۔ "میں کنگ میکر ہوں۔ ان کا سلطان ساز!"

"آہ.... کنگ میکر۔" محمود صاحب نے برہمی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اب کیا تم پہ اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ تم ایک سیاستدان کے کنگ میکر بنو گے؟ جانتے ہو کنگ میکر کیا ہوتا ہے؟"

"جی، میں جانتا ہوں، اور مجھے یہ کام پسند ہے۔" وہ پرسکون تھا۔ مطمئن تھا۔

(کنگ میکر سیاست میں اس آدمی یا گروہ کو کہتے ہیں جس کا کسی سیاستدان پہ گہرا Influence ہوتا ہے۔ وہ اپنے عسکری، مذہبی، سماجی اور سیاسی تعلقات کے ذریعے سیاستدان کو تراشتا ہے، اس کو اٹھاتا ہے، اس کو کامیاب کرواتا ہے اور اس کو طاقت کے مقام پہ پہنچاتا ہے

۔اقدار حاصل کرنے کے بعد بھی اسی کے مشورے سے وزرائے اعظم اور حکمران کام کرتے ہیں۔کرسی پہ کوئی اور بیٹھا ہوتا ہے اور اس کی ڈوریاں پیچھے سے اس کا سلطان ساز کھینچ رہا ہوتا ہے۔مگر اپنی ساری صلاحیتوں کے باوجود کنگ میکر خود کبھی سیاسی امیدوار کے طور پہ کھڑا نہیں ہوتا' نہ اس کو عوام جانتے یا پسند کرتے ہیں۔)

''میرے بیٹے' تم اگر کسی اور شخص کے دائیں ہاتھ بنتے تو میں معترض نہ ہوتا۔'' وہ بے بسی سے جھنجھلاتے ہوئے آگے جھکے اور سمجھانے لگے۔''مگر تم وان فاتح کو اقتدار دلوانا چاہتے ہو۔وہ بے نیاز اور خودغرض شخص ہے۔وہ تمہیں بھلا دے گا۔تم اپنا ٹیلنٹ' اپنی صلاحیتیں اپنے لئے استعمال کرو۔''

''ہم یہ بات پہلے کر چکے ہیں' بابا۔'' وہ اداس ہوا۔

''مگر دوبارہ اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ تم اس بارے میں سوچو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔

''میرا سارا پیسہ پھنسا ہوا ہے' بابا اور آپ کے پاس بھی ابھی اتنا پیسہ نہیں کہ میں فوراً الیکشن کی تیاری کر سکوں۔آپ کاروباری آدمی ہیں اور آپ پہ بھی قرض چڑھے ہیں' بالفرض میں ایم پی کے الیکشن کے لئے کھڑا ابھی ہو جاؤں تو پیسہ کہاں سے لاؤں گا؟'' وہ جیسے زچ ہوا۔

محمود صاحب نے چونک کے اسے دیکھا۔''یعنی یہ خیال تمہارے ذہن سے گزرتا ہے۔'' ان کے تنے تاثرات ڈھیلے ہوتے گئے۔

''انسان ہوں' بابا۔طاقت کی خواہش میرے اندر بھی ہے مگر پیسہ کہاں سے لاؤں؟'' وہ بے بس تھا۔محمود صاحب خاموش ہو گئے۔پھر چند لمحے کے لئے چھت کو تکنے لگ گئے۔

آفس میں گہرا سناٹا چھا گیا۔اشعر نے سر جھکا دیا۔دل برا ہونے لگا۔اسے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔

''تم میری شاپ بیچ دو۔''

اشعر کا منہ کھل گیا۔''وہ تو آپ کی ہے' بابا۔''

''ہاں مگر میرا سب کچھ تمہارا اور عصرہ کا ہی ہے۔وہ شاپ میں تمہیں دے دیتا ہوں' تم اس کو بیچ دو۔وہ تاریخی مقام پہ ہے اور اس کی بہت قیمت ہوگی۔تم خود الیکشن لڑو اور اس پیسے کو استعمال کرو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔''میں نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا' بابا۔''

''تو پھر جلدی فیصلہ کرو۔تمہارے پاس زیادہ دن نہیں ہیں۔اگر تم نے ایک ہفتے میں کاغذات نامزدگی داخل نہ کروائے تو تمہیں پانچ سال انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ اس کو سمجھا رہے تھے مگر اشعر متامل تھا.... آفس کی سادہ دیواریں راکھ کے رنگ کی تھیں.... ایش ٹرے میں ٹھنڈی راکھ پھر سے اسے واضح نظر آنے لگی تھی۔

اشعر محمود نے سر جھٹکا اور اوپر دیکھا تو نجمی جا چکا تھا۔ وہ اس چھوٹے سے سیاسی آفس میں تنہا بیٹھا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔ اس نے سگریٹ کی تازہ بنی راکھ کو پھر سے ایش ٹرے پہ جھٹکا اور دہرایا۔

Ashes Ashes We all fall down!

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے پہ دوپہر پگھل رہی تھی۔ بادل چھٹ چکے تھے اور آسمان صاف تھا۔ ڈرائیوے پہ بھاری بھرکم داتن سامان کے شاپرز اٹھائے ہانپتی کانپتی چلتی جا رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ شاپر اٹھائے اندر آئی تو لاؤنج کی ساری بتیاں جلی تھیں۔ دوپہر کے وقت اتنی روشنیاں؟ وہ حیران ہوتی لاؤنج عبور کر کے کچن تک آئی اور شاپر سلیب پہ رکھے۔ پھر ٹھٹک کے رکی۔ اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔

ہیل والی جوتیاں ادھر ادھر قالین پہ لڑھکی تھیں۔ جیولری، ٹاپس، میز پہ اتار پھینکے گئے تھے۔ صوفے کی حالت سے لگ رہا تھا وہ رات وہیں سوئی ہے۔ ساڑھی کی چم چم صوفے پہ بھی لگی تھی۔ غرض ہر چیز ابتر تھی۔

''تالیہ.... تالیہ....'' داتن نے چہرہ اوپر کر کے آواز دی۔ جواب ندارد۔ پھر اس نے پریشانی سے فون نکالا اور اسے کال ملائی۔ کال فوراً کاٹ دی گئی تھی۔ تالیہ اس کی کال بھلا کب کاٹتی تھی؟ وہ ٹھیک تو تھی نا؟

لیانہ دوبارہ کال ملانے لگی مگر درمیان میں اس کے بیٹے عدنان کی کال آنے لگی۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ ''ہاں بولو....''

''ماں.... کیا حال ہے؟'' وہ توقف سے بولا۔

''ذرا مصروف ہوں۔ تم بتاؤ۔'' پھر اسے یاد آیا۔ ''پیسے پورے مل گئے تھے اس دن؟''

''ہاں ماں، لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر ساشا میڈم نے اتنے پیسے آرام سے دے دیے ہیں تو....'' وہ رک رک کے احتیاط سے کہہ رہا تھا۔ ''تو اگر تم ان کی تھوڑی سی منت کر لو تو کیا معلوم اتنی رقم مزید بھی دے دیں۔ دیکھو ماں، یہ کم پڑ جائیں گے میرے لئے اور....''

''عدنان، میں اس وقت شدید پریشان کھڑی ہوں۔ پلیز تم کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' لیانہ چیخ کے بولی۔ ساتھ ہی لاؤنج کی حالت کو تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''''ساشا میری کال نہیں اٹھا رہی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔''

''کہاں ہونا ہے ماں؟ امیر لوگوں کے اپنے مشغلے ہوتے ہیں۔''

''عدنان، تم بار بار بھول جاتے ہو کہ وہ مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے، مگر تم نہیں سمجھو گے۔'' اس نے کوفت سے فون بند کیا۔ پھر بے چینی اور تشویش سے تالیہ کا نمبر ملانے لگی۔ اب کی بار فون آف ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

کوالالمپور کے اس علاقے میں سڑک کنارے ریستوران اور کافی شاپس کی بہتات تھی۔ دونوں اطراف میں بنی دکانوں کے سامنے کرسیاں میزیں بچھا کے گاہکوں کو کھانا پیش کیا جا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور لنچ بریک کے باعث طرح طرح کے لوگ اس فوڈ اسٹریٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

ایسے میں ایک سوپ پارلر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ سفید اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے' سنہرے بالوں کو پونی میں جکڑے' اداس مسکراہٹ سے اس پارلر کو دیکھ رہی تھی۔ تنکو کامل کے گھر 'نوکرانی' والا کردار ادا کرنے سے قبل اس نے یہاں نوکری حاصل کی تھی کیونکہ تنکو کامل ادھر اکثر آیا کرتے تھے۔ تالیہ مراد کی ہر چیز پلان کا حصہ ہوتی تھی۔

''تالیہ!'' آواز نے اسے چونکایا۔ سڑک کی طرف سے بوڑھا شیف سبزیوں کی ٹوکری اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کے وہ خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

''تم کب آئیں؟ آؤ آؤ اندر آؤ۔ یہاں کہاں کھڑی ہو؟'' وہ جو نفی میں سر ہلانا چاہتی تھی' شیف کے اصرار پہ منع نہیں کر سکی۔ وہ اسے مہلت دینے پہ راضی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریستوران کے کچن میں کرسی پہ بیٹھی تھی اور مختصر سا عملہ اس کے گرد جمع تھا۔ ویٹرس' ایک (ویٹر)' شیف' سب اس کو حیرت' خوشی اور خفگی سے دیکھتے سوالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔

''تم بنا بتائے چلی گئیں؟ پورے دو ہفتے بعد آ رہی ہو۔ بدلی بدلی لگ رہی ہو۔''

''تنکو کامل کی ملازمہ نور نے بتایا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے اور تم پاکستان چلی گئی ہو۔''

''واللہ تالیہ ہم تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ تم کیسی ہو؟'' بوڑھا شیف بہت اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے اداس مسکراہٹ سے اس خالی کاؤنٹر سلیب کو دیکھا۔ کبھی وہ اس پہ چوکڑی مارے بیٹھی ہوتی تھی۔ ان کو ایمانداری کی تلقین کرتی تھی۔ گانے گاتی تھی۔ سوپ اور باتیں بناتی تھی۔

اور آج وہ کرسی میز پہ سنبھلے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی۔

''قسمت مجھ پہ مہربان ہوئی۔'' اس نے ان کے سوالوں کے جواب میں متانت سے کہنا شروع کیا۔ ''میں اپنے ملک واپس چلی گئی' اپنے بابا کے پاس۔ وہاں میری شادی ہوگئی اور یوں میں مالی طور پہ بہت مستحکم ہوگئی۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔ ''میں نے ان کچھ دنوں میں دولت کی بہت سی ریل پیل دیکھ لی لیکن پھر....'' اس کی آواز میں اداسیاں گھل گئیں۔

''پھر میں لیگل طریقے سے واپس آ تو گئی لیکن واپسی کی قیمت مجھے یہ چکانی پڑی کہ میرا شوہر.... وہ مجھ سے کھو گیا۔''

''ایں؟ وہ کہاں گیا؟ اتنی جلدی؟''

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ ''بس یوں سمجھیں کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پتہ نہیں اس کو میری کیا بات بری لگی۔ خیر....'' اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ صاف کی۔ ''اب میرے پاس کافی پیسہ ہے' سو میں ویٹرس جیسی نوکری نہیں کروں گی بلکہ کوئی بہتر کام ڈھونڈوں گی۔ البتہ آپ لوگوں کو میں ہمیشہ مِس کروں گی۔ آپ نے ....اس جگہ نے.....(نگاہیں اطراف میں دوڑائیں) مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ یہاں میں نے ہر ایک کو' تالیہ ایک سچی اور امانت دار لڑکی ہے۔'' کہتے سنا تھا۔ ان الفاظ کو دوبارہ سننے کی خواہش نے مجھ سے بہت بروقت فیصلے کروائے ہیں۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ اداس نظریں ان سب کے چہروں سے ہوتیں درودیوار پہ لپٹ جاتی تھیں۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ کیسے وہ ایک کردار بناتی تھی....کیسے وہ اس میں ڈھل جاتی تھی۔

''تالیہ....میری بچی....'' شیف کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''تم جب چاہو واپس آ سکتی ہو۔ ہمارے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔''

''نہ بھی ہوں تو میں کھڑکی سے کود آؤں گی' داتو سری!'' وہ نم آنکھوں سے ہنس کے بولی تو وہ سارے بھی ہنس دیے۔

اس جگہ نے ایک اور فیصلہ اس کے لئے آسان بنا دیا تھا۔

☆......☆......☆

داتن لاؤنج میں ٹہل رہی تھی جب پورچ میں کار رکنے کی آواز آئی۔ آواز تالیہ کی کار کی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنے بھاری جثّے کو سنبھالتی دروازے تک آئی۔

تبھی دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ سادہ حلیے میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ سپاٹ سی لگ رہی تھی۔ داتن کو دیکھ کے بس سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گئی۔ داتن اس کی طرف گھومی یوں کہ اب دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔

''تم کہاں تھیں' تالیہ؟''

''جب میں کوئی اسکام شروع کرتی ہوں تو سب سے پہلا کام معلوم ہے کیا کرتی ہوں؟'' تالیہ پرس صوفے پہ ڈالتی کہہ رہی تھی۔ داتن نے الجھ کے اسے دیکھا۔ ''تالیہ نے جو کردار ادا کرنا ہوتا ہے' میں اس کی پروفائل لکھتی ہوں' اور پھر خود کو اس میں ڈھال لیتی ہوں۔ آج میں پرانے سوپ پارلر گئی تو مجھے یاد آیا کہ میرا ہر پلان میری پروفائل پہ انحصار کرتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں' تالیہ۔ تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟''

تالیہ پرس رکھ کے مڑی اور سادگی سے اسے دیکھا۔ ''میں تمہیں نہیں بتا رہی' داتن۔''

داتن چونکی۔ پھر دروازے کی طرف گھومی۔ کھلی چوکھٹ سے دھوپ اندر آ رہی تھی اور وہاں....ایڈم کھڑا تھا۔

''اندر آ جاؤ' ایڈم۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے لاؤنج کے کونے میں بنے دروازے تک چلی گئی۔

ایڈم نے داتن کو دیکھ کے سلام کہا اور پھر طائرانہ نظریں اطراف میں دوڑائیں۔

داتن شل ہو گئی تھی۔

وان فاتح کا باڈی مین اب اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے بال بے حد چھوٹے ہو گئے تھے۔ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے دلچسپی سے تالیہ کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

''نیچے میرا ورک روم ہے۔'' تالیہ نے کونے والے دروازے کے ساتھ بنے چوکھٹے پہ انگوٹھا رکھا اور پھر کوڈ دبایا۔ برقی دروازہ کھل گیا۔ نیچے زینے تھے۔ وہ زینے اترنے لگی تو بتیاں خود بخود جلنے لگیں۔

''تو آپ جو بھی چراتی ہیں' وہ نیچے محفوظ کرتی ہیں۔'' جب وہ نوجوان بھی سیڑھیوں پہ نیچے اترنے لگا تو داتن کو ہوش آیا۔ وہ ہڑبڑا کے ان کے پیچھے لپکی۔

ورک روم کی ساری بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ وہاں بہت سے ڈبے رکھے تھے جن میں سامان محفوظ تھا۔ ایک دیوار پہ بڑے بڑے سے لاکر بھی بنے تھے جن کے ہر خانے کے مختلف کوڈز تھے۔ درمیان میں بڑی سی ورک ٹیبل تھی۔ تالیہ نے کوٹ اتار کے ایک کرسی کی پشت پہ ڈالا اور کونے سے ایک وائٹ بورڈ کھینچ کر سامنے لائی۔ اسٹینڈ پہ لگا وائٹ بورڈ اس نے دیوار کے سامنے رکھا اور پھر سیاہ مارکر اٹھایا۔

''تالیہ.... میں تم سے بات کر سکتی ہوں؟'' داتن ہانپتی ہوئی سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی۔ ساتھ ہی بار بار ایڈم کو گھور رہی تھی جو اس کمرے کے لاکرز دیکھ رہا تھا۔

''ایڈم سب جانتا ہے اور یہ میرے نئے اسکام میں میرا ساتھ دے گا۔'' تالیہ بورڈ پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی تو داتن نے بے بسی سے اس کی کہنی چھوئی۔

''تالیہ.... تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتی ہو؟'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔

''مجھے آواز سنائی دے رہی ہے ویسے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو داتن نے پلٹ کے اسے بس کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''داتن پدوکا۔'' تالیہ اس کی طرف گھومی اور رسان سے کہنے لگی۔ ''ایڈم میرا دوست ہے۔ بلکہ اب ایڈم فیملی ہے۔ مجھے اس پہ مکمل اعتماد ہے۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔''

''مگر تالیہ.... تم اس کو کیسے کسی اسکام میں شامل کر سکتی ہو؟ اور اسکام ہے کیا؟''

''داتن!'' تالیہ نے اس کے دونوں کندھوں کو تھاما اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں نے تم سے بہت دفعہ کہا تھا کہ میں اس جھوٹ اور خیانت کاری کے کام کو ترک کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہیں مانیں۔ جو اسکام اب ہم کھیلنے جا رہے ہیں' وہ سچائی اور ایمانداری سے کھیلا

جائے گا۔ اگر تم خود کو وہ راستہ چھوڑنے کے لئے تیار کر سکتی ہو تو یہاں بیٹھو۔ ہم تمہیں سب بتا دیں گے۔ لیکن اگر تم تیار نہیں ہو تو کچن میں جاؤ' اور میرے لئے کچھ کھانے کو لاؤ' مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کم از کم میری توانائی برقرار رکھنے کی حد تک تو تم میری مدد کر سکتی ہو۔''

داتن بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا' پھر گھنگریالے سیاہ بال کان کے پیچھے اڑستی مڑ گئی۔ جاتے جاتے بھی وہ ایک جارحانہ قسم کی گھوری ایڈم پہ ڈالنا نہیں بھولی تھی۔ (ایڈم نے جلدی سے نظریں موڑ لیں اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔)

''آپ نے اتنی جلدی میں بلایا' میں بتا نہیں سکا۔ صبح وہ کوکو پھل....'' داتن چلی گئی تو وہ کہنے لگا مگر....

''میں کام کے وقت کام کے علاوہ بات نہیں کرتی' ایڈم۔ یہ دیکھو۔'' سپاٹ سے انداز میں کہتے اس نے ایک فائل ایڈم کی طرف اچھالی۔ ایڈم نے فائل تھامتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں میز کے کنارے پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تالیہ کی آنکھیں سپاٹ تھیں اور ایڈم کی متاسف۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' شاہی مورخ کو شہزادی کی فکر ہوئی۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ اور تم جانتے ہو اب میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''اس بارے میں میری رائے ابھی محفوظ ہے۔'' پھر فائل کھولی اور صفحے پلٹانے لگا۔

''یہ تالیہ مراد' تنکو کامل کی ملازمہ کی پروفائل ہے۔ تنکو کامل کا خاندان اور سوپ پارلر والے اس تالیہ کو جانتے تھے۔ مولیا کو بھی میں نے حالم بن کے یہی فائل بھیجی تھی۔''

''او کے....اس کا کیا کرنا ہے۔''

تالیہ نے مارکر اس کی طرف بڑھایا اور فائل اس سے لے لی۔ ''میں اس پروفائل جیسی نہیں ہوں' اس لئے مجھے نئی پروفائل بنانی ہے۔ سچائی اور ایمانداری کے ساتھ۔ تم لکھتے جاؤ۔''

ایک دم سے وہ جیسے قدیم ملاکہ میں چلا گیا۔ فضا میں مانوس سی خوشبو آنے لگی۔ محل کا باغیچہ۔ روش پہ ٹہلتی شہزادی....جس کا تاج اور زیورات دھوپ میں چمکتے تھے اور قلم سے الفاظ کاغذ پہ گھسیٹتا شاہی مورخ جو اس کے پیچھے پیچھے چلتا تھا.....

''لکھو!'' ایڈم اس کی آواز پہ چونکا۔ سفید اسکرٹ بلاؤز اور پونی میں بندھے بالوں والی لڑکی میز کے گرد ٹہلتی فائل کھولے لکھوا رہی تھی۔ ایڈم نے غیر ارادی طور پہ سر کو تعظیم میں خم دیا' پھر مارکر لے کر وائٹ بورڈ تک آیا۔

''تالیہ مراد۔'' تالیہ فائل سے پڑھتی شروع ہوئی۔ وہ پہلے فائل کے الفاظ پڑھتی پھر اس سے مختلف الفاظ لکھواتی۔

(تالیہ مراد۔ اس کا تعلق کشمیر سے ہے۔)

''تالیہ بنتِ مراد راجہ....اس کا تعلق ملاکہ سے ہے۔''

ایڈم تعمیل کرتے ہوئے مارکر سے سفید بورڈ پہ الفاظ اتار رہا تھا۔

(تین ماہ سے تنگو کامل کی ملازمہ ہے۔ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے' مگر انگریزی اور ملے زبان ٹھیک سے بول لیتی ہے۔)

''وہ پچھلے کئی سال سے کے ایل میں مقیم ہے۔ وہ نہ صرف تعلیم یافتہ ہے بلکہ اس کو آدابِ معاشرت سے مکمل آگاہی ہے۔'' تالیہ میز کے گرد ٹہل کے لکھوا رہی تھی۔ ''وہ چار زبانیں بول اور لکھ لیتی ہے اور اس کو آرٹ کی گہری سمجھ ہے۔''

(بہت باتونی لڑکی ہے۔ قدرے بے وقوف اور جلد باز۔)

''وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اسے لمبے لمبے صبر آزما کھیل کھیلنے کی عادت ہے اور وہ انسانوں کے لالچ کو اندر تک پڑھ لیتی ہے۔''

(آدھا دن تنگو کامل کی ملازمت کرتی ہے اور شام میں ایک ریستوران میں بطور ویٹرس کام کرتی ہے۔ کشمیر میں اس کا لمبا چوڑا خاندان ہے جس کی کفالت یہی کرتی ہے۔)

''لکھو۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث اسے بے پناہ دولت ورثے میں ملی ہے۔ وہ کوئی جاب نہیں کرتی بلکہ سوشلائیٹ ہے اور مختلف چیریٹی ورکس میں حصہ لیتی ہے۔ اس کا کوئی خاندان نہیں ہے جو اس کی کمزوری بنے۔''

کمرے میں یا تالیہ کی آواز تھی یا شاہی مورخ کے سفید بورڈ پہ مارکر گھسیٹنے کی۔

(جو کماتی ہے اپنے خاندان کو بھیج دیتی ہے۔ خود عام کپڑوں اور جوتوں میں خوش باش گھوم رہی ہوتی ہے۔)

''لکھو کہ تالیہ صرف اپنے لئے کماتی ہے' اپنے لئے جیتی ہے۔ شہزادیوں کی طرح رہتی ہے اور قیمتی چیزیں اوڑھتی پہنتی ہے۔''

(تالیہ کو سوپ بنانے' احمقوں کی طرح بہت بولنے اور ہر چھپکلی کاکروچ کو دیکھ کے چیخیں مار مار کے رونے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔)

''لکھو کہ.... تالیہ کو تیر اندازی اور تلوار زنی کے علاوہ پینٹنگ اور مجسمہ سازی میں بھی مہارت حاصل ہے۔ وہ اتنی بہادر ہے کہ ایک تیر سے کمبوڈو ڈریگن کو ہلاک کر سکتی ہے۔''

ہر فقرے کے ساتھ تالیہ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اندر جیسے بہت سا غصہ تھا جو ابل ابل کے آ رہا تھا۔ ایڈم بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔ اسے اس کی فکر ہو رہی تھی۔

(وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جن کے پاس اچھی شکل اور دراز قد کے علاوہ کوئی خصوصیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ ذہانت نہ تعلیم۔)

''وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمت نہیں ہارتیں' بہادری سے ہر مشکل کا سامنا کرنے کی ترکیب ڈھونڈتی ہیں اور ان کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

(اس کے باوجود تنگو کامل ہو یا سوپ پارلر والے' سب تالیہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کے بہت حیران ہوا کہ ایک کم ذہن' کم علم' اور سادہ سی لڑکی پہ سب اتنا اعتبار کیوں کرتے ہیں؟ مگر اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ایماندار' سچ بولنے اور خیال رکھنے والی لڑکی ہے

۔خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہے۔انہی خامیوں کی وجہ سے وہ زندگی میں کبھی ترقی نہیں کرسکی اور نہ کرسکے گی۔)

اگلی سطور پڑھ کے وہ چند لمحے تک خاموشی سے فائل پہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ایڈم کھلا مار کر لئے منتظر سا اسے دیکھے گیا۔پھر تالیہ نے فائل بند کی، اور چہرہ اٹھا کے جیسے حقیقت کا سامنا کیا۔

''لکھو کہ تالیہ بنت مراد کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اس سے دل سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ایک بے حد شاطر، ہنر منداور پر اعتماد لڑکی جو کسی سے نہ ڈرتی ہو، اسے لوگ مشکل سے ہی پسند کرتے ہیں۔کیونکہ مرد عورتوں کو مضبوط بننے کے لئے تو کہتے ہیں، لیکن وہ خود کو ان مضبوط عورتوں کے لئے تیار نہیں کرتے۔لکھو کہ وہ اب جھوٹ نہیں بولتی اور ایمانداری سے معاملات ڈیل کرنا چاہتی ہے اور اسے خود بھی نہیں معلوم کہ ان خوبیوں کے ساتھ وہ کبھی ترقی کر بھی سکے گی یا نہیں۔''

پروفائل ختم ہو چکی تھی۔اس نے فائل میز پہ ڈال دی اور وائٹ بورڈ کو دیکھا جہاں ایڈم کا ہاتھ سرعت سے چلتا الفاظ رقم کر رہا تھا۔پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ قریب آئی۔اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جمی تھیں۔

''کیا یہ پروفائل من گھڑت ہے، چے تالیہ یا اب آپ ایسی ہی بن چکی ہیں؟''

''کیا تم اب تک یہ نہیں جان پائے ہو؟'' وہ الفاظ کو پڑھتے ہوئے بولی۔

داتن ٹرے لئے نیچے آئی اور اسے میز پہ رکھا۔پھر کرسی کھینچی اور کہنیاں میز پہ رکھے ناراض سی بیٹھ گئی۔ایڈم نے ایک نظر ٹرے کو دیکھا اور پھر تالیہ کی پشت کو۔

''آپ کچھ کھالیں، چے تالیہ۔'' ساتھ ہی چاکلیٹ براؤنیز کی پلیٹ اس کی طرف دھکیلی۔

داتن اسے گھورتے ہوئے قریب ہوئی ۔''یہ براؤنیز میں اپنے لئے لائی تھی۔تالیہ اتنی ساری چاکلیٹ اور میٹھا نہیں کھاتی۔وہ گرل چکن کھائے گی۔''

ایڈم نے بہت ضبط سے جواباً سرگوشی کی۔''ان کو چاکلیٹ سب سے زیادہ پسند ہے۔شاید آپ نہیں جانتیں۔''

''تالیہ۔کھانا کھالو۔'' داتن نے بلند آواز میں پکارا تو وہ جو وائٹ بورڈ پڑھنے میں مصروف تھی، چونکی اور پلٹی۔پھر میز پہ رکھی اشیاء کو متلاشی نظروں سے دیکھا۔ٹرے تک جھکی اور گرل چکن کی پلیٹ اٹھا کے واپس وائٹ بورڈ کی طرف مڑ گئی۔

داتن نے فاتحانہ نگاہوں سے ایڈم کو دیکھا۔''اس کو چاکلیٹس پسند ہیں لیکن وہ اپنی ہر پسند کو عادت نہیں بنا لیتی!'' اس کے تو جیسے اندر تک طمانیت بکھر گئی۔اور ایڈم اندر تک جل گیا۔

''اور کچھ؟''

''بس اتنا کہ.....'' داتن اس کی طرف جھکی اور اسے گھورا۔''یہ وائٹ بورڈ پہ تالیہ نے کموڈو ڈریگن کو ایک تیر سے ہلاک کرنے کا

لکھا ہے' وہ سچ ہو یا نہ ہو' اگر تم نے میری تالیہ کو کبھی نقصان پہنچایا تو واللہ میں تمہیں کسی بھوکے کموڈو ڈریگن کے سامنے ڈال دوں گی۔"

"پھر ایک بات میری بھی سن لیں۔" وہ بھی اس کے قریب جھکا۔ "ایڈم بن محمد کو کموڈو ڈریگن سے ڈر نہیں لگتا۔ اس لئے آپ اپنی دھمکی اپ گریڈ کرنے کے بارے میں سوچیں۔"

داتن نے "ہونہہ" میں سر جھٹکا اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اپنی پروفائل کو ذہن نشین کر کے ان کی طرف گھوم چکی تھی اور سنجیدگی سے لائحہ عمل بتا رہی تھی۔

"داتن.... میں جانتی ہوں اس کام میں تم ہمارا ساتھ نہیں دو گی۔ نہ میں تمہیں ساتھ چلنے کے لئے کہوں گی۔ مگر تمہیں یہیں سے ایک کام کرنا ہوگا۔ میں تمہیں ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔"

ساتھ ہی موبائل پہ بٹن دبائے تو داتن کے فون کی ٹون بجی۔ اس نے عینک لگائی اور اسکرین دیکھی۔ پھر عینک اتاری اور تالیہ سے بولی۔ "کام ہو جائے گا۔" پھر ایک جتاتی نظر ایڈم پہ ڈالی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں' چے تالیہ؟" وہ قدرے حیران تھا۔

"عصرہ کے گھر نیلامی میں۔ آج گھائل غزال کی نیلامی ہے اور مجھے اس کی سب سے بھاری بولی لگانی ہے' تاکہ اشعر کے بندے اسے نہ خرید سکیں کیونکہ وہ پینٹنگ کو ٹیسٹ کروا کے عصرہ کو بے عزت کرنا چاہیں گے۔ میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔ وقت کم ہے۔" وہ بے نیازی سے کہہ کے زینوں کی طرف بڑھی تو ایڈم نے الجھن سے پکارا۔

"مگر ہمیں مسز عصرہ کو اس نقلی پینٹنگ کو نیلامی پہ رکھنے سے روکنا چاہیے۔ اگر آپ اسے نہ خرید سکیں اور ان لوگوں نے وہ خرید لی' تو کیا ہوگا؟"

"ایڈم' جب میں مشورہ مانگوں' تب دینا۔ ابھی کھانا کھا لو۔" وہ بے نیازی سے کہہ کے زینے چڑھنے لگی۔ ایڈم نے خفگی سے اسے دیکھا پھر داتن کو جو فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

"تالیہ کے پلانز میں تالیہ کی مرضی چلتی ہے' لڑکے!"

"بہت شکریہ۔" وہ جل کے بولا۔

داتن کے اندر تک ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔



وان فاتح کی رہائشگاہ کے لان میں تقریب کے انتظامات ہو چکے تھے اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ بڑے بڑے شوکیسز میں قیمتی نوادرات اور پینٹنگز سجی تھیں جن کے گرد لوگ گھوم پھر کے ان کو دیکھ رہے تھے۔ چوکس سیکیورٹی اہلکار جگہ جگہ تعینات تھے۔

وان فاتح اپنے کمرے میں موجود تھا۔ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے وہ کالر کھڑے کیے ٹائی پہن رہا تھا۔ پھر آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے ٹھہرا۔ انگلیوں سے گردن کی پشت کو ٹٹولا۔ ابھرا ہوا گول نشان واضح محسوس ہوتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے بس سی الجھن ابھری۔ یہ زخم... یہ نشان؟ پھر اس نے سر جھٹکا (جن لڑکوں سے ہاتھا پائی ہوئی تھی' یقیناً انہوں نے ہی یہ چوٹ دی ہوگی۔ یا شاید یہ پرانی ہو اور اس نے پہلے نوٹس نہ کی ہو)۔

پھر ایک دم وہ چونکا۔ ٹائی وہیں گردن میں چھوڑے' اس نے موبائل اٹھایا۔

اس کی سوشل میڈیا ٹیم نے ملاکہ کے ساحل پہ چار روز قبل فاتح سے ملاقات کرنے والے نوجوان کی تصاویر شیئر کی تھیں۔ یقیناً اس نوجوان نے تصاویر سوشل میڈیا پہ لگائی تھیں جہاں سے معمول کے مطابق اس کی ٹیم نے انہیں آفیشل ہینڈل پہ پوسٹ کر دیا تھا۔ فاتح نے تیزی سے ان تصاویر کو کھولا۔ پھر دو انگلیوں سے بڑا کیا۔

ایک تصویر ساحل پہ چلتے وان فاتح کی پشت سے کھینچی گئی تھی جس میں اس کی سفید شرٹ ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اور گردن صاف دکھائی دیتی تھی۔ وہ بالکل صاف اور بے داغ تھی۔

فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ یہ شرٹ.... یہ شرٹ کہاں گئی؟ پولیس اسٹیشن کی ویڈیو میں اس کی سیاہ شرٹ تھی۔ وہ ملاکہ میں صبح اٹھا' تب بھی اس کی سیاہ شرٹ تھی۔ مگر اس روز تو اس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ شرٹ کہاں گئی؟

اس نے کوفت سے موبائل رکھا اور سر جھٹکا۔ ان لڑکوں نے اسے زخمی کیا ہوگا یقیناً.... کپڑے خون آلود ہو گئے ہوں گے.... اس نے پھینک دیے ہوں گے.... یہ اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں کہ وہ اس بارے میں اتنا سوچے۔

وہ اب سنجیدگی سے آئینے میں خود کو دیکھتا ٹائی باندھنے لگا۔ پھر کالر برابر کیے۔ پرفیوم اٹھا کے خود پہ چھڑکا۔ سفید شرٹ پہ گہری نیلی ٹائی رات کی تقریب کی مناسبت سے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ گیلے بال دائیں طرف کو پیچھے کر کے جما رکھے تھے۔ آنکھ کا زخم ویسا ہی تھا۔

تبھی عقب میں دروازہ کھلا اور عصرہ داخل ہوئی۔ جوڑا باندھے' کانوں میں آنسو شکل موتی پہنے' وہ پیر تک آتے سلور لباس میں ملبوس تھی۔ دو لٹیں گھنگریالی کر کے گالوں پہ چھوڑ رکھی تھیں۔ مسکراتی ہوئی وہ اس کے قریب آئی اور میز سے کنسیلر کی ڈبی اٹھائی۔

''اتنے برس پہلے جو گیلری میں نے بنائی تھی.... اتنے برس جو سامان اکٹھا کیا تھا.... آج وہ سب بک جائے گا۔'' وہ اداس مسکراہٹ سے کہتی کنسیلر کی ڈبی کھول رہی تھی۔ فاتح نے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑا۔

''حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو اب بھی چاہوں گا کہ تم اپنا کام جاری رکھو۔''

''ہمیں امریکہ میں سیٹل ہونے کے لئے....''

''ہم امریکہ نہیں جا رہے۔ تم جانا چاہو تو الگ بات ہے۔ میں یہیں رہوں گا۔ ہم یہ بات کر چکے ہیں' عصرہ!'' وہ ٹھنڈے انداز

میں بولا تو عصرہ نے ڈبی سے ذرا سا غازہ انگلی کے پورے پہ لگایا اور پھر اسے فاتح کی آنکھ کے قریب احتیاط سے ملنے لگی۔

''تم ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے' فاتح۔ تمہارے پاس ویسے بھی الیکشن کے لئے اتنی رقم نہیں ہے۔'' اب وہ غازہ اس کی کنپٹی پہ مل رہی تھی۔ زخم دھیرے دھیرے چھپنے لگا۔

''پیسوں کی فکر نہ کرو۔ میں سن باؤ والا گھر بیچ رہا ہوں۔ بات ختم۔'' وہ.... ذرا بے رخی سے بولا تو عصرہ نے جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''تمہیں جلد یا بدیر احساس ہو جائے گا' فاتح کہ میں درست ہوں اور تم غلط۔ خیر....''

زخم چھپ گیا تھا۔ اس نے ڈبی رکھی اور مسکرا کے فاتح کو دیکھا جو کچھ ناخوش نظر آتا تھا۔

''آج کے دن تم میرا مکمل ساتھ دو گے۔ جیسے میں نے تمہیں سپورٹ کیا ہے اتنے سال' تم آج اس سب کا لحاظ کرو گے۔''

''ظاہر ہے۔'' اس نے ٹائی کو دوبارہ کستے ہوئے کندھے اچکائے۔

پھر وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔ سیاہ ٹو پیس میں ملبوس وجیہہ صورت مسکراتا ہوا فاتح اور اس کی کہنی تھامے سلور چمکتے لباس میں خوش باش سی عصرہ۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے بے حد بھلے معلوم ہوتے تھے۔

پرفیکٹ کپل۔

''سر درد کی دوا ملے گی' مسز عصرہ؟''

آواز پہ عصرہ چونک کے پلٹی۔

☆......☆......☆

نیلامی کی تقریب شروع ہو چکی تھی۔ لان میں اونچا اسٹیج بنا تھا اور سامنے کرسیوں کی دو قطاریں لگی تھیں۔ درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ اولین کرسیوں میں سے دو نشستوں پہ تالیہ اور ایڈم بیٹھے تھے۔ ایڈم اس زبردستی کے سوٹ میں غیر آرام دہ سا بیٹھا بار بار گردن موڑے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''میں اور آپ ایک دفعہ پہلے بھی ایک نیلامی اٹینڈ کر چکے ہیں' چے تالیہ۔'' وہ ہچکچا کے بولا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں 'ماضی' خود کو دہرانے نہ لگ جائے۔''

''دہرا بھی دے تو کیا ہوا۔'' تالیہ لمبی گردن سیدھی رکھے' چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے سکون سے بیٹھی تھی۔ اس نے اونچا جوڑا باندھ رکھا تھا اور سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ میک اپ کے نام پہ صرف سرخ لپ اسٹک تھی۔ البتہ انگلی کی سرخ آنسو شکل انگوٹھی' کانوں کے یاقوتی ٹاپس اور گردن میں پڑا ہیرے کا نیکلیس.... قدیم ملاکہ کا وہ زیور اسے مزید دلکش بنا رہا تھا۔

تالیہ کنکھیوں سے اپنے دائیں جانب' دو نشستیں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ کو دیکھ رہی تھی جو چم چم کرتے لباس میں مسکرا کے اپنے شوہر سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا کے جواب دے رہا تھا۔ فاتح کے ساتھ بیٹھا اشعران کی بات پہ محظوظ سا ہنستا تھا۔ لوگ تصاویر اتار رہے تھے۔ ان کو سراہ رہے تھے۔ وان فاتح' اس کی بیوی اور سالہ.... پرفیکٹ فیملی کی تکون۔

''کیا ان کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کے برا لگتا ہے آپ کو؟'' ایڈم نے سرگوشی کی تو وہ چونکی۔ وہ قدیم ملے میں مخاطب ہوا تھا۔ جب لوگ آس پاس ہوتے تو وہ دونوں قدیم ملے زبان بولنے لگتے تھے۔

تالیہ کے لبوں پہ مبہم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''نہیں' شاہی مورخ' کیونکہ میں ان تینوں کے رشتے کی حقیقت جانتی ہوں۔ یہ ایک دوسرے سے بیزار لوگ ہیں۔'' پھر گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''تمہارے کیا ارادے ہیں اب؟''

''پتہ نہیں' چے تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر اسٹیج کو دیکھنے لگا۔ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' چھوٹے بالوں اور گندمی رنگت والا ایڈم غیر آرام دہ نظر آتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گیا ہوں۔''

''سنو ایڈم!'' وہ اس کی طرف ذرا جھکی اور سرگوشی کی۔ ''ماضی صرف سیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ نہ اس کے خیالوں میں گم رہا جاتا ہے' نہ اس سے بالکل فرار حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

''کل تک اتنی اپ سیٹ تھیں آپ۔ ایک دن میں خود کو سنبھال کیسے لیا ہے؟'' ایڈم بس اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ضبط سے مصنوعی مسکراہٹ سجا کے بیٹھی تھی۔ اس سوال پہ محض شانے اچکائے۔

''ایک بات تو طے ہے کہ جو بھی ہو جائے' تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔''

ایڈم کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسٹیج پہ کھڑے آدمی نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکا کے اعلان کیا۔

''گھائل غزال۔'' ساتھ ہی بازو سے اشارہ کیا۔ دو باوردی ملازم آئے اور وہ نادر چھوٹی سی پینٹنگ اسٹینڈ پہ رکھ کے چلے گئے۔ سنہرے فریم میں مقید وہ پینٹنگ محض دو بالشت جتنی تھی۔

پیچھے اسٹیج پہ لگی بڑی پروجیکٹر اسکرین پہ اس پینٹنگ کی تعارفی ویڈیو چلنے لگی۔ کس نے بنائی' کب بنائی' وغیرہ وغیرہ۔

''بولی شروع ہوتی ہے پچاس ہزار رنگٹ سے۔ کیا کوئی اس سے زیادہ پیش کرے گا؟'' ویڈیو کے ختم ہوتے ہی میزبان نے جوش سے حاضرین کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے اپنی اسٹک اٹھائی جس پہ اس کا نمبر لکھا تھا اور با آواز بلند بولی۔

''ایک لاکھ رنگٹ!''

دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فاتح البتہ اسٹیج کو دیکھتا رہا۔ اور اشعر.... وہ کنکھیوں سے عصرہ کو دیکھ رہا تھا....

دوسری قطار میں بیٹھے ایک صاحب نے اپنا کارڈ بلند کیا۔''ایک لاکھ پچیس ہزار۔'' مگر اشعر کو اس کی آواز نہ سنائی دی۔ لمحے بھر کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے سے حال لپیٹ دیا گیا اور ماضی کا منظر چلنے لگا.....

وان فاتح کی رہائشگاہ کے سامنے وہ کار میں بیٹھا تھا اور اسٹیرنگ وہیل پہ چند کاغذ رکھے ان کو پڑھ رہا تھا۔ کاغذات نامزدگی۔ اشعر محمود۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ کاغذ جمع کروانے کی کل آخری تاریخ تھی۔

اس نے کاغذات کو تہہ کر کے پینٹ کی جیب میں ڈالا اور باہر نکلا۔ پورچ سنسان پڑا تھا۔ فاتح کی کار وہاں نہیں تھی۔ البتہ عصرہ کی کار موجود تھی۔ لان بھی خالی تھا۔ وہ جوش اور مسرت سے اندر داخل ہوا تو لاؤنج میں سامنے پہ آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ وہ چہرہ جھکائے کسی کلرنگ بک میں رنگ بھر رہی تھی۔ لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ آہٹ پہ سر اٹھایا تو اشعر کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''آریانہ.... ممی کہاں ہیں؟'' وہ مسکراتا ہوا سامنے آیا۔ تبھی اپنے کمرے سے عصرہ نکلتی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کان کا ٹاپس بند کرتی، بغل میں پرس دبائے، عجلت میں لگتی تھی۔

''ایش.... یہ میں کیا سن رہی ہوں؟'' وہ خفا خفا سی ٹاپس بند کرتے قریب آئی۔ اشعر کی مسکراہٹ سمٹی۔

''کا کا' میں.....''

''بابا نے بتایا کہ تم کاغذات نامزدگی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ یقیناً یہ بے کار خیال بھی انہوں نے تمہارے دل میں ڈالا ہو گا۔ خیر میں نے ان کو اچھی خاصی سنا دی ہیں۔ بھئی حد ہوتی ہے۔ یہ کوئی تمہارے کرنے کا کام ہے۔ تم جو کر رہے ہو' اسی میں ٹھیک ہو۔'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر کی مسکراہٹ بالکل معدوم ہو گئی۔ وہ چپ چاپ سننے لگا۔

''بابا کی ہر بات پہ فضول چیزیں نہ سوچنے لگ جایا کرو' ایش۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی ایسے تھے، اور وہ شاپ تو میں نے کب سے بابا کو کہہ رکھا ہے کہ مجھے چاہیے۔ میں نے اس پہ آرٹ گیلری بنانی ہے۔''

اشعر کے کندھے ڈھیلے ہو کے نیچے جا گرے۔

''آپ نے.... پہلے تو کبھی نہیں کہا۔''

''تو اب کہہ رہی ہوں نا۔ دیکھو ایش....'' وہ مصالحتی انداز میں قریب آئی۔ ایک ہاتھ سے کلچ پکڑ لیا' دوسرا اس کے کندھے پہ

رکھے نرمی سے سمجھانے لگی۔ ”مجھے آرٹ گیلری کھولنی ہے۔ میں ایک سیاسی بیوی ہوں، مجھے فاتح کے ساتھ پبلک کی نظر میں رہنا ہے۔ میرا بھی کوئی کیریئر، کوئی پہچان ہونی چاہیے۔ وکیل ہونے کے باوجود فاتح کے تین بچے پالتے پالتے میں کبھی پریکٹس نہیں کرسکی، (آریانہ نے سر اٹھا کے ماں کو دیکھا) اور مجھے شوق بھی نہیں ہے، لیکن یہ آرٹ گیلری فاتح کو بھی فائدہ دے گی اور تم.... تم بالکل بھی سیاست میٹریل نہیں ہو۔ میں کبھی بھی بابا کو یا تمہیں وہ دکان بیچنے نہیں دوں گی۔“

اشعر کے لب بھنچ گئے تھے۔ آنکھوں میں تکلیف ابھری مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

”ایش دیکھو.... اگر تم وہ دکان بیچ بھی دو تو تم جیت نہیں سکتے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ ابھی تم صرف فاتح کو سپورٹ کرو۔ دکان کو ضائع مت کرو۔ اس سے بہتر ہے وہ دکان بابا مجھے دے دیں۔ تم جو ہو، وہی ٹھیک ہو۔ سمجھ رہے ہو نا۔“

اشعر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھا تھا۔ کاغذات ہاتھ میں اٹھائے وہ ان کو آخری نظر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے لب بھنچ لئے اور ان کو چاک کر دیا۔ چار، پھر آٹھ ٹکڑے کیے.... اور ان کو ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال کے ڈھکن زور سے بند کیا۔

اس کا چہرہ اب غصے بھری بے بسی سے سرخ پڑ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس اس دکان کے علاوہ بیچنے کو کچھ نہیں تھا.... پانچ سال.... اسے پانچ سال مزید انتظار کرنا تھا....

”دو لاکھ۔“ نیلامی اپنے عروج پہ تھی۔ وہ میزبان کی آواز پہ چونکا، اور پھر جلدی سے سر جھٹکا۔ کنکھیوں سے ساتھ بیٹھی عصرہ کو دیکھا جو جوش سے مسکراتی اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔

”دو لاکھ پچاس ہزار!“ پہلی قطار میں بیٹھی تالیہ نے سکون سے کارڈ بلند کیا۔

”دو لاکھ ستر ہزار۔“ دوسرے کونے میں بیٹھا آدمی فوراً سے کارڈ اٹھا کے بولا۔

”تین لاکھ۔“ وہ سکون سے اسٹیج کو دیکھتی قیمت بڑھا رہی تھی۔

”سوا تین لاکھ۔“ اس آدمی نے اس سے زیادہ سکون سے کہا تو تالیہ چونکی۔ پوری گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ چہرے پہ ہلکی سی پریشانی نظر آئی۔

”چے تالیہ.... آپ کو یہ ہر حال میں خریدنی ہے۔“ ایڈم نے اضطراب سے سرگوشی کی۔

”سوا تین لاکھ ایک.... سوا تین لاکھ دو.... چے تالیہ.... کیا آپ رقم بڑھانا چاہیں گی۔“ میزبان جوش سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نے تھوک نگلا۔ پھر کارڈ اٹھایا۔ ”تین لاکھ پچاس ہزار۔“

”چار لاکھ!“ وہ آدمی سرعت سے بولا۔

پہلی قطار میں سب کی گردنیں تالیہ کی طرف گھومیں۔ وہ اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک کھلی لِٹ کان کے پیچھے اڑسی اور بولی۔ ''چار لاکھ پچیس ہزار۔''

''ساڑھے چار لاکھ۔'' وہ آدمی اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن پھیر کے عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ عصرہ کے اس طرف بیٹھا فاتح بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے پھر سے کارڈ اٹھایا۔ ''پونے پانچ لاکھ۔''

''چھ لاکھ!'' اس آدمی نے ایک دم چھ لاکھ پہ چھلانگ لگائی تو تالیہ نے گہری سانس لے کر کارڈ گود میں ڈال دیا۔

''چھ لاکھ ایک.... چھ لاکھ دو....'' پرجوش میزبان تالیہ کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔ اکسا رہا تھا مگر اس نے نظریں جھکا لیں۔

''چے تالیہ.... پلیز....'' ایڈم کراہا مگر وہ دبی دبی سرگوشی میں بولی۔ ''میرے پاس اس سے زیادہ پیسے نہیں ہیں' ایڈم۔''

''چھ لاکھ فائنل۔ مبارک ہو مسز عصرہ۔ گھائل غزال چھ لاکھ میں جناب جعفر غنی کو فروخت کی جاتی ہے۔'' میزبان نے نعرہ لگایا تو لان میں بیٹھے تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ سوائے ایڈم کے۔

جعفر صاحب کھڑے ہوئے اور مسکرا کے مبارکبادیں وصول کیں۔ پھر کھنکھارے۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ میں اپنی جمع پونجی کا ایک حصہ اس پینٹنگ پہ لٹا رہا ہوں۔'' حاضرین نے اس بات پہ بے اختیار قہقہہ لگایا تھا۔

''لیکن....'' وہ دوبارہ کھنکھارے۔ ''میں اس کو خریدنے سے پہلے ایک دفعہ اس کو ٹیسٹ کروانا چاہوں گا۔''

ایک دم سے تقریب میں سناٹا چھا گیا۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔ خود عصرہ پوری کی پوری گھوم گئی۔ ابرو بھنچ گئے۔

''جعفر صاحب' یہ تمام پینٹنگز اصلی ہیں' میرے پاس ان کے کاغذات ہیں۔'' وہ جبراً مسکرا کے بولی۔ ''اور ہم تمام ٹیسٹ کروا چکے ہیں۔'' (اشعر زیرِلب مسکرایا۔)

''جی مگر اپنی تسلی کے لئے اگر اس تقریب میں موجود دو آرٹ ایکسپرٹس اس پینٹنگ کو جانچ پرکھ لیں تو میں آپ کا مشکور ہوں گا۔'' اس نے پچھلی قطار کی طرف اشارہ کیا تو دو افراد کھڑے ہوئے۔ ایک نوجوان تھا' دوسرا ادھیڑ عمر۔

''تنگو منیر صاحب۔'' عصرہ خوشگوار حیرت سے ان کو دیکھ کے جگہ سے اٹھی۔ پھر حاضرین کو دیکھا۔ ''یہ تنگو منیر اور اسمعیل صاحب ہیں۔ یونیورسٹی پروفیسرز ہونے کے علاوہ یہ ہمارے اقرباء میں سے ہیں۔ اگر یہ پینٹنگ کو جانچ پرکھ کے دیکھنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پلیز آپ لوگ اوپر تشریف لے آئیں۔'' وہ جوش سے کہہ رہی تھی۔

"مگر اس ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے؟" تالیہ اونچا سا بولی تو سب مڑ مڑ کے اسے ہی دیکھنے لگے۔ "کیا مسز عصرہ کی نیک نامی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ پینٹنگ اصلی ہے؟ اگر آپ مسز عصرہ سے کچھ خرید نے آئے ہیں تو ان پہ اعتبار بھی کریں۔" وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ عصرہ نے ہاتھ اٹھا کے نرمی سے اسے روکا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' تالیہ۔ پلیز آپ لوگ پینٹنگ کو دیکھ لیں۔"

وہ دونوں افراد اپنی جگہ سے اٹھے اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتے اسٹیج تک آئے۔ پھر پینٹنگ کو اسٹینڈ سے اتار کے میز پہ رکھا۔ اپنے آلات کا بیگ کھولا۔ عینکیں چڑھائیں۔

عصرہ واپس جگہ پہ بیٹھ گئی اور فاتحانہ نظروں سے اسٹیج کو دیکھنے لگی۔ تبھی اشعر نے سرگوشی کی۔ "کاکا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے.... آپ کو ٹیسٹ کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔"

"مجھے عرب شہزادے کی بات پہ اعتبار ہے۔ وہ مجھے نقلی پینٹنگ کیوں عطیے میں دے گا۔ ڈونٹ وری۔" عصرہ نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں اس کے خدشے کو رد کیا۔ "ویسے بھی یہ دونوں ایکسپرٹ میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔"

"چچ تالیہ۔ کچھ کریں۔" ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"میں کیا کرسکتی ہوں۔" وہ تلخی سے بڑبڑائی۔ "وان فاتح کو جنگل میں بتایا تھا میں نے کہ گھائل غزال نقلی ہے۔ ان کو وہ مشروب نہیں پینا چاہیے تھا۔ اب نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔"

دونوں افراد باری باری پینٹنگ کو جانچ رہے تھے۔ پرکھ رہے تھے۔ مختلف زاویوں سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر معمر صاحب نے سر اٹھایا اور حاضرین کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"میری پیشہ وارانہ اور ماہرانہ رائے کے مطابق....." وہ سانس لینے کو رکے تو سب نے دم سادھ لیا۔

"یہ پینٹنگ اصلی ہے۔"

پھر سوالیہ نگاہوں سے دوسرے ایکسپرٹ کو دیکھا۔ اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"جی..... پینٹنگ واقعی اصلی ہے۔ سو فیصد۔"

جہاں پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا' وہاں اشعر محمود کی ساری مسکراہٹیں غائب ہوگئیں۔ اس نے بے یقینی سے ایکسپرٹس کو دیکھا۔ پھر گردن موڑ کے جعفر صاحب کو جو اپنی جگہ پہ کھڑے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ رنگت ایسی پیلی پڑی گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"جعفر صاحب امید ہے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔" میزبان نے جوش سے اسے مخاطب کیا تو جعفر صاحب جبری مسکرائے اور جگہ پہ بیٹھے۔ "آپ کے پاس رقم ادا کرنے کے لئے تین دن ہیں۔ اب ہم اگلے آئیٹم کی طرف بڑھتے ہیں....." نیلامی پھر سے شروع ہوگئی۔

ایسے میں اشعر محمود بالکل گم صم ہو گیا تھا اور عصرہ....اس نے گردن ذرا نکال کے دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی تالیہ کو مسکرا کے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

تالیہ نے بھی جواباً مسکرا کے سر کو خم دیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ ایڈم ابرو بھینچے ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''چچ تالیہ....کیا کیا ہے آپ نے؟''

تالیہ نے مسکرا کے اس کی طرف چہرا موڑا۔

''اے شاہی مورخ....تمہاری گہری نظریں اس وقت کہاں تھیں جب بنداہارا کی حسین بیٹی نیلامی سے پہلے اندر گئی تھی؟''

''بنداہارا کی نقلی والی حسین بیٹی نے کہا تھا کہ وہ مسز عصرہ سے سر درد کی دوا لینے جا رہی ہے۔ لیکن سیانے ٹھیک کہتے تھے۔ چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری اور کہانیاں گھڑنے سے نہ جائے۔'' وہ جل بھن گیا تھا۔

☆......☆......☆

''ایک گھنٹہ پہلے''

فاتح اور عصرہ ایک ساتھ چلتے لاؤنج میں آگے بڑھ رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''سر درد کی دوا ملے گی، مسز عصرہ؟''

عصرہ چونک کے پلٹی۔ فاتح بھی ساتھ ہی مڑا۔

وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ سرخ لپ اسٹک کے ساتھ مسکراتی ہوئی، سنہرے بالوں کا فرانسیسی جوڑا بنائے، وہ جل پری کی طرح کا سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔

''اوہ تالیہ....تم....'' عصرہ مسکرائی۔ ساتھ ہی ایک محتاط نظر فاتح پہ ڈالی جس کے ماتھے پہ اسے دیکھ کے بل پڑے تھے۔ پھر جلدی سے تشویش سے بولی۔

''ہاں میرے پاس دوا ہو گی۔ تمہارے سر میں درد ہے کیا؟''

''میرے نہیں، آپ دونوں کے سروں میں جلد ہی شدید درد ہونے والا ہے اس لئے اسپرین کی گولیاں اپنے ساتھ رکھیں۔''

عصرہ اور فاتح کے تاثرات ایک ساتھ بدلے۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر الجھن بھری حیرت سے تالیہ کو۔ ''کیا مطلب؟''

''مجھے کچھ ایسا معلوم ہے جو آپ دونوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کیونکہ....'' سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی قریب آئی اور فاتح کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''جو ہمیں معلوم ہوتا ہے، وہ ہماری جان بچاتا ہے۔ اور جو ہمیں معلوم نہیں ہوتا، ہو ہماری جان لے بھی سکتا ہے۔''